74 Muddas's'ir Makky Verses 56

سُورَۂ مُدَّثِّر

(مکیہ ہے اور اس میں (۵۶) آیتیں ہیں)

ماقبل سے ربط سورۂ مدثر کا سورت ماقبل سے ربط اور وجہ مناسبت کی تفصیل سورۂ مزمل میں گزر چکی ہے۔ یہ دونوں سورتیں سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کے بعد یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں جس کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ سورۂ مزمل میں قیام لیل اور عبادت گزاری کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اور سورۂ مدثر میں اِنذار یعنی نافرمان لوگوں کو عذاب سے ڈرانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ قیام لیل اور عبادت گزاری سے تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔

شانِ نزول اسی طرح شان نزول بھی ان دونوں سورتوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی سورۂ مدثر کا شان نزول بھی وہی ہے جو سورۂ مزمل میں بیان ہوا۔ اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ بریں ہم صحیحین کی ایک حدیث نقل کی جاتی ہے جس سے سورۂ مدثر کے شان نزول پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توقف وحی کے باب میں سنا آپؐ فرماتے تھے: بینما انا امشی اذ سمعت صوتا

من السماء فرفعت بصری فاذا الملك الذی جاءنی بحراء جالس علی
کرسی بین السماء والارض فرعبت منه فرجعت فقلت دثرونی فانزل
اللہ تعالی یا ایھا المدثر قم فانذر ..... فحمی الوحی وتتابع۔ میں چل رہا تھا
اتنے میں اوپر سے ایک آواز سنائی دی میں نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ
جو میرے پاس حراء میں آیا تھا آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔
میں اس سے مرعوب ہو گیا اور گھر واپس آکر کہنے لگا کہ مجھ پر کچھ اڑھا دو (چنانچہ
اڑھا دیا گیا) اس وقت اللہ تعالی نے یا ایھا المدثر کی ابتدائی آیات اتاریں۔
پھر وحی کی گرم بازاری رہی اور وحی کا سلسلہ قائم ہو گیا"۔ صحیحین کی اس روایت سے
مضمون بالا کی تائید ہوتی ہے کہ سورۂ اقراء کے بعد مزمل شریف اور سورت ہذا
نازل ہوئی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع ہے اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان اور نہایت رحم والا ہے" 74-1

74-2

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُۙ قُمْ فَاَنْذِرْۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْۙ وَثِیَابَكَ 74-3

74-4

فَطَهِّرْۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْۙ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُۙ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْؕ 74-5

74-6

74-7

اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھئے پھر ڈر سنائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے

اور اپنے کپڑے پاک رکھئے' اور گندگی سے دور رہئے' اور ایسا نہ کیجئے کہ احسان کریں'
اور بدلہ بہت چاہیں' اور اپنے رب کی راہ دیکھئے''

یاایھا المدثر کی تفسیر یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ اے لحاف میں لپٹنے والے! اے خلعت نبوت ورسالت کو زینت بخشنے والے!! سبحان اللہ! کیا پیارا اور کیا محبت بھرا خطاب ہے اور کس لطف وعنایت سے مخاطبت فرمائی جارہی ہے؟ انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کو بھی مخاطب فرمایا گیا مگر ارشاد ہوا:۔ یا آدم' یا نوح' یا یوسف' یا موسیٰ' یا داوُد' یا زکریا' یا یحییٰ' یا عیسیٰ وغیرہ اور حضور تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی مخاطب فرمایا جارہا ہے لیکن یہ نوعِ خطاب ہی جداگانہ ہے:۔ یٰاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ' یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ' یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ' یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ' طٰہٰ' یٰسٓ وغیرہ۔ اسی سے آپ کی منزلت اور مرتبت کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

مدّثّر کے معنی مدّثّر' دراصل متدثر تھا۔ تاء اور دال قریب المخرج ہونے سے تاء کو دال سے بدل دیا گیا پھر ایک دال کا دوسری میں ادغام کردیا گیا۔ یہ کلمہ ماخوذ ہے دثار سے۔ جس کے معنی ہیں اوپر کا لباس۔ ایک لباس اندرونی ہوتا ہے اسکو شعار کہتے ہیں جو شَعَر یعنی رونگٹوں سے لگا ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک دفعہ حضور انور نے ارشاد

فرمایا:۔ الانصار شعار المؤمنین ۔ انصار اہل ایمان کی اندرونی زینت ہیں" جس کے لازم معنی یہ ہوئے:۔ والمھاجرون دثارھم ۔ اور مہاجرین اہل ایمان کی بیرونی رونق ہیں" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوہر ذاتی اور فطری اعلیٰ صلاحیت واستعداد آپ کا شعار تھا ہی اس پر خلعت نبوت ورسالت کا دثار نور علیٰ نور کہ تمام کائنات آپ پر صدقہ ونثار ۔ یہ اشارہ ہے اس جانب کہ آپ کا منصب عالی پوری کائنات پر ظاہر ہو کر رہیگا۔

قم فانذر کی تفسیر قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ اٹھیے پھر ڈراتے جایئے" یعنی جب آپ کی ذات بابرکات انوار باطنی اور انوار ظاہری سے آراستہ پیراستہ ہے تو جو لوگ باطل پرستی اور غلط کاری کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں ان کو جگایئے اور ظلمت سے نور کی طرف نکال لایئے ۔ اگر وہ موجودہ حالتِ تیرہ وتار میں پڑے رہیں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مبتلائے عذاب ہو جائیں۔

رسالت عامہ سے سرفرازی مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۂ اقرأ کی آیات اور مزمل شریف کے ذریعہ آپ کو منصب نبوت تو سرفراز ہو ہی چکا تھا۔ اب مدثر شریف کی آیۂ کریمہ قُمْ فَاَنْذِرْ سے آپ کو رسالت کاملہ عامہ سے بھی سرافراز فرمایا گیا۔ منصب نبوت و رسالت اگرچہ اور مقدس ہستیوں کو بھی سرفراز ہوا تھا جیسا کہ ارشاد باری

ہے :۔ انا ارسلنا نوحا الی قومہ ان انذر قومک ۔ ہم نے نوح کو رسول بنا کر بھیجا ان کی قوم کی طرف اس حکم کے ساتھ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں "۔ یا یہ ارشاد ہوا :۔ ورسولاً الی بنی اسرآئیل اور (عیسیٰ بھی) رسول تھے جو بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے "۔ مگر حضور اکرم سے ارشاد ہو رہا ہے :۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۔ آپ اُٹھئے اور بلا تخصیص کسی قوم یا خاندان یا زمان و مکان کے سب کو ڈرساتے جایئے "۔ یقین ہے کہ آپ کے نائبین کے ذریعہ یہ سلسلہ تا قیامت قائم رہیگا ۔ انشاء اللہ المستعان ۔

حضور نذیر بھی ہیں اور بشیر بھی

حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح "نذیر" تھے "بشیر" بھی تھے ۔ ڈرسانے والے بھی اور خوش خبری سنانے والے بھی مگر آغاز کار میں چونکہ غفلت اور تاریکی ہی کا دور دورہ تھا اس لئے یہاں بشارت کا ذکر قبل از وقت تھا ۔ انذار ہی پر اکتفا کی گئی ۔

وربک فکبر کی تفسیر

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیا کیجئے "۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں فاء معنی شرط کا فائدہ دے رہا ہے ۔ اصل کلام یوں ہے :۔ اما ربک فکبر یعنی مھما یکن من شیئ وکنت علی ای حال فکبر ربک ۔ یعنی جو صورت بھی نمودار ہو اور آپ جس حال میں بھی رہیں اپنے رب کی بزرگی اور بڑائی بیان کیا کیجئے "۔

ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل کلام یوں قرار دیا جائے :۔ کبر ربک فکبر اپنے رب کی بڑائی ہی بیان کئے جایئے ۔ پھر بڑائی ہی بیان کئے جایئے ۔" کبر کی تکرار سے دوام و استمرار مراد ہے کہ ہر حال میں اور ہر صورت میں آپ کا مشغلہ ہی یہ رہنا چاہیئے کہ اللہ سبحانہ کی بڑائی ' بزرگی ' برتری کا اظہار و اعلان فرماتے رہیں ۔ تاکہ اللہ سبحانہ کی کبریائی اور عظمت ' ان گم گشتگان راہ ہدایت کے ذہن نشین ہو جائے اور ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہیچ نظر آنے لگے ۔

ایک لطیفہ کلام پاک کے کمال لطائف میں سے یہاں ایک لطیفہ یہ ہے کہ آیۂ کریمہ رَبَّكَ فَكَبِّرْ میں تجنیس قلب ہے جو محسنات لفظیہ کی ایک خاص قسم ہے ' نثر و نظم دونوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے بھی اقسام ہیں ۔ ایک شاعر لکھتا ہے :۔

لوٹتا ہوں درد سر سے کس سے بولوں درد ہے ۔ یہ ہے حرف درد جس پہلو سے الٹو درد ہے

اگر اس آیۂ کریمہ کو اخیر سے اول تک پڑھتے آئیں تو اس صورت میں بھی ربك فكبر ہی برآمد ہوگا ۔ خواہ اس کو سیدھا پڑھیں یا الٹا ۔ ہر دو صورتوں میں وہی ربك فكبر پڑھا جائیگا ۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں آپ کو اپنے پروردگار کی بڑائی کے اظہار و اعلان ہی میں مشغول رہنا چاہیئے ۔

تکبیر کے معنی اب یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ تکبیر کے معنی کیا ہیں جس پر اس قدر

زور دیا جا رہا ہے۔ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں:۔ ومعنی کبرہ عظمہ عن الحدوث وعن سمات النقص والزوال وعن التشریك فی وجوب الوجود والالوھیة، والتشریك فی العبادة، والتشبیه بشیٔ من الممکنات فی شیٔ من الذات والصفات والافعال وصفه باوصاف الکمال مالا یتصف به غیرہ (مظہری) ارشاد باری تعالیٰ کبّر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ کی برتری بیان کیجئے کہ وہ حادث و نو پیدا نہیں، اس میں کسی نوع کا نقص نہیں اور نہ اس کو کبھی زوال ہے۔ اور واجب الوجود ہونے میں نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ خدائی میں اس کا کوئی سہیم۔ اور نہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرایا جا سکتا ہے، اور نہ ممکنات میں سے کوئی چیز اس کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ نہ ذات میں نہ صفات میں نہ افعال میں، (یہ صفات سلبیہ ہوئے اور صفات ایجابیہ یہ ہیں:۔) اور اس کو جملہ صفات کمال سے اس طرح موصوف کیجئے کہ کائنات کی کوئی چیز ان اوصاف کمال سے موصوف نہ ہو سکے۔"

تکبیر کی اہمیت وھذا اول ما یجب علی الانسان، واھم من جمیع الواجبات ولا یحتمل العفو والسقوط ویحکم به العقل قبل النقل لکن العقل غیر کاف فی درکه کما ینبغی۔ تکبیر کے ان معنی کو جاننا، انسان پر

انسان پر سب سے پہلے واجب ہے اور تمام واجبات کے مقابلہ میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اس میں معافی کی گنجائش نہیں یعنی جو صفات سلبی اور ایجابی اوپر بیان کی گئیں ان کی خلاف ورزی قابل معافی نہیں اور اس کا وجوب کسی حال انسان پر سے ساقط نہیں ہو سکتا۔ اگر کوئی کتاب آسمانی نہ بھی ہو اور کوئی رسول مبعوث نہ ہوئے ہوں تب بھی اس کا جاننا ضروری ہے کیونکہ فی الجملہ عقل اس کا حکم دیتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ محض عقل ان تمام امور کو کماحقہ دریافت نہیں کر سکتی"۔

تکبیر کی اشاعت واقعات شاہد ہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ سبحانہ کی عظمت و کبریائی کا نقش اہل عالم کے قلوب پر ایسا جمایا کہ آپ کی بعثت شریفہ پر ساڑھے چودہ سو سال گزرنے پر بھی آج تک کسی نے خدائی کا دعویٰ نہ کیا۔ الوہیت کے مسئلہ کی آپ نے ایسی تفہیم فرمائی کہ انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی تعلیمات میں اس کی نظیر نہیں۔ عہد ابراہیمی میں نمرود کا دعویٰ خدائی اور عہد موسوی میں فرعون کا نعرہ انا ربکم الاعلیٰ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نہ معلوم کس کس عہد میں کن کن سرپھرے متکبرین نے کیا کیا دعوے کئے مگر الوہیت اور کبریائی کے دعوے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی :

مرا در ارسد کبریا و منی   کہ ملکش قدیم است و ذاتش غنی

تکبیر کے چند مواقع سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمانوں کے گھر جب ولادت ہو تو مولود کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے یعنی نومولود کے اس جہان میں آنے کے بعد سب سے پہلا کلمہ جو اس کے گوش زد کیا جائے وہ اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا ہو۔ مشرق، مغرب، شمال اور جنوب چاروں سمتوں میں اللہ سبحانہ ہی کی ذات والاصفات کی کبریائی قائم ہے۔ وہی سب سے بڑا اور سب سے بلند و بالا ہے۔ اس کے آگے ساری بڑائیاں، سرنگوں اور پست ہیں۔ پھر اذان و اقامت کے آخر میں یہی کلمہ اللہ اکبر، اللہ اکبر دو دفعہ آتا ہے جو اشارہ ہے اس جانب کہ مذکورہ چار سمتوں کے علاوہ، تحت و فوق میں بھی اسکی کبریائی احاطہ کی ہوئی ہے۔ اس طرح پورے شش جہات میں اسی کی کبریائی کا ڈنکہ بجتا رہیگا اور یہی نعرہ بلند ہوتا رہیگا۔ اسی طرح پانچ وقت کی نمازوں اور ان کی اقامتوں میں یہی اذان و اقامت کہی جائے۔ یہ اعلان ہے اس امر کا کہ مسلمان کی عبادت، اسی خدائے اکبر کی ہے جس سے بڑی اور باعظمت ذات سوائے خدائے بلند و برتر کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ پھر نماز شروع ہوتی ہے تو تکبیر تحریمہ یہی اللہ اکبر ہے پھر مصلی قیام سے رکوع میں اور رکوع سے سجود میں منتقل ہوتا ہے یا سجدے سے سر اٹھاتا اور دوسرا سجدہ کرتا ہے۔ یا سجدے سے پھر قیام کی طرف عود کر آتا ہے تو ہر ہر انتقال پر تکبیر انتقالی بھی یہی اللہ اکبر ہے۔

مسلمان کسی حلال وطیب جانور کو اپنی غذا بناتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر اس کو ذبح کرے اس کے بعد اس کو اپنی غذا بنائے۔ بغیر اس کے اس جانور کے گوشت کا استعمال مسلمان کے لئے روا نہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ جانور کی جان اللہ سبحانہ کی پیدا کی ہوئی ہے۔ کسی کی جان اگر کبھی لی جاسکتی ہے تو وہ اللہ سبحانہٗ کے حکم ہی سے اور اسی کے نام پر لی جاسکتی ہے۔ اس کے سوا کسی کی جان لینے کی کوئی صورت جواز ہی نہیں۔ جہاد میں نعرۂ تکبیر اسی حکم کے تحت بلند کیا جاتا ہے۔ اُمور عظام کے موقع پر بے ساختہ اللہ اکبر کی صدائے دلوں سے زبانوں پر اور زبانوں سے فضائے عالم میں گونجنے لگتی ہے۔ جیسا کہ سورۂ مزمل کی آیۂ کریمہ یوماً یجعل الولدان شیبا کی تفسیر میں گزرا کہ حضورِ انور نے جب یہ مژدہ دیا ارجوان تکونوا ربع اھل الجنۃ ثلث اھل الجنۃ نصف اھل الجنۃ مجھے امید ہے کہ پورے اہل جنت میں تم (اُمت محمد) ربع کے مالک ہوگے، ثلث جنت کے مالک ہوگے۔ آدھی جنت کے مالک ہوگے تو ہر ہر موقع پر صحابۂ کرام نے فرط مسرت سے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر بلند کیا تھا عیدین کے موقع پر یا مسلمان حج کو جاتا ہے تو احرام کی نوبت پر تلبیہ کے موقع پر اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑتے ہی اللہ اکبر کہتا ہے۔ منیٰ میں کنکریاں مارتا ہے تو ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتا جاتا ہے۔ یہ تو احوال زندگی ہوئے کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسکی نماز جنازہ میں بھی یہی تکبیرات چار دفعہ کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر قائمقام ایک رکعت کے شمار کی جاتی ہے۔

ائمہ کا استنباط یہیں سے فقہائے کرام نے تکبیر تحریمہ اور اس کی فرضیت کا مسئلہ استنباط فرمایا۔ چنانچہ امام مالکؒ اور ہمارے امام سیدنا امام احمدؒ حنبل کے پاس اللہ اکبر کے بغیر تحریمہ ادا نہیں ہوتی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک کچھ وسعت ہے اللہ اکبر کہو یا اللہ الاکبر ہر دو کی صورتوں میں نماز ہو جائیگی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ الکبیر سے بھی نماز ابتدا ہو سکتی ہے۔ اور حضرت امام اعظمؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کلمہ جس سے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی عظمت شان کا اظہار ہوتا ہے اس سے نماز کی ابتدا ہو سکتی ہے۔ اللہ اکبرُ اللہ الاکبرُ اللہ الکبیرُ اللہ اجلّ اللہ اعظمُ لا الٰہ الا اللہ الرحمن اکبر وغیرہ۔ یہ جواز فقہی ہے ورنہ اللہ اکبر پر سب کا اتفاق ہے اور یہی عمل سلف سے خلف تک معمول یہ و متوارث ہے۔

آغاز نماز کا طریقہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ قلنا یا رسول اللہ کیف ندخل فی الصلاۃ فانزل اللہ تعالی وربک فکبر فامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نفتتح الصلاۃ بالتکبیر۔ (ابن مردویہ) ہم نے حضرت سرور دو جہاں علیہ صلوات الرحمان سے عرض کیا کہ ہم نماز میں شریک ہونا چاہیں تو کیا کہنا چاہئے۔ اللہ سبحانہ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی:۔ وربک فکبر۔ اس پر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ہم نماز کا آغاز "اللہ اکبر"

کیا کریں "

کبّر کا جواب | لما نزل قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم اللّٰہ اکبر، فکبرت خدیجۃ وفرحت وایقنت انہ الوحی۔ جب آیہ کریمہ وربّک فکبّر نازل ہوئی تو حضرت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم نے اللّٰہ اکبر فرمایا۔ یہ سُن کر حضرت ام المومنین سیدتنا خدیجہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا نے بھی اللّٰہ اکبر کہا اور بہت خوش ہوئیں۔ نیز ان کو یقین ہوگیا کہ یہ وحی الٰہی ہے " یقین کا سبب یہ ہے کہ انہیں پروردگار عالم کی بڑائی اور بزرگی بیان کرنے کا حکم ہے۔ اگر کوئی شیطانی بات ہوتی تو شیطان اپنی بڑائی جتاتا ہے اور اس میں پروردگار عالم کی بڑائی اور بزرگی کا حکم دیا گیا ہے' لہذا ظاہر ہے کہ یہ وحی ربانی ہے۔

وثیابک فطھّر کی تفسیر | وَثِیَابَکَ فَطَھِّرۡ۔ اور اپنے کپڑے پاک رکھئے " ہوسکتا ہے کہ یہاں "ثیاب" سے یہی لباس مراد ہو جس کو بدن پر پہنا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت محمد بن سیرین اور حضرت عبداللّٰہ بن زید فرماتے ہیں:۔ امر بتطھیر الثیاب من النجاسات التی لا تجوز الصلاۃ معھا وذلک لان المشرکین لا یتطھّرون ثیابھم۔ نجاستوں سے کپڑے پاک رکھنے کا حکم ہو رہا ہے جن کے لگی رہنے سے نماز جائز نہیں ہوسکتی۔ یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ مشرکین اپنے کپڑے پاک نہیں

رکھتے تھے۔" اور طاؤسؒ فرماتے ہیں: وثیابك فقصر لان تقصیر الثیاب تطھیر لھا۔ اور اپنے کپڑوں کو دھو لو کیونکہ کپڑے دھو لینا ہی ان کو پاک رکھتا ہے۔" یزید بن مرثدؒ فرماتے ہیں: القی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلا شاۃ (ابن المنذر) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بکری کی اوجھ ڈال دی گئی تھی۔" گویا اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور حکم ہوا کہ آپ اپنے کپڑے صاف کر لیجیے۔"

طہارت جامہ وجسم وقلب گویا شرع شریف میں نمازی کو طہارت جامہ کا جو حکم دیا گیا ہے وہ اسی آیۂ کریمہ سے مستنبط ہوا۔ اور جب عبارۃ النص سے طہارت جامہ، صحت نماز کی شرط قرار پائی ہے تو طہارت بدن، دلالۃ النص سے بدرجہ اولیٰ شرط نماز ہوگی۔ اس لئے کہ لباس جو بدن سے خارج ہے اس کی طہارت کا حکم بصراحت صادر ہوا ہے تو بدن جو انسان کے وجود میں داخل ہے بدیہی بات ہے کہ اس کی طہارت بھی مطلوب ہوگی۔ یہ اس وجہ سے بھی کہ اللہ سبحانہ کی ایک صفت قدّوس ہے۔ اس صفت کا اقتضاء یہ ہے کہ نجاست اس کو پسند نہیں اور جب یہ لباس میں ناپسند ہے تو بدن پر اس کا رہنا کیونکر پسند ہوگا؟۔ نیز شرع شریف میں نماز کے لئے دوسری جگہ وضو اور غسل یا تیمم کا حکم دیا گیا ہے اور وضو، غسل صرف حدث (نجاست حکمی) کی بنا پر کیا جاتا ہے تو خبث (نجاست حقیقی) سے پاک ہونا بدرجۂ اولیٰ محبوب ومرغوب ہوگا۔

جس طرح انسان کا حدث اور خبث سے پاک ہونا ضروری ہے اللہ سبحانہ کو یہ بھی منظور ہے کہ انسان کفر و شرک اور معصیت سے بھی پاک رہے۔ یہ نجاسات باطنی ہیں۔ آیۂ کریمہ ان اللّٰہ یحب التوّابین ویحب المتطھّرین میں اسی جانب اشارہ ہے۔ یعنی اللہ سبحانہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت فرماتا ہے اور پاک رہنے والوں کو بھی محبوب رکھتا ہے۔" بہر حال نجاست اعتقادی ہو یا حقیقی یا حکمی سب سے پاک رہنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

تفسیر ابن عباسؓ اسی معنی کے نظر کرتے مفسرین کرام نے آیۂ کریمہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کے دوسرے معانی بھی لکھے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا تکن ثیابک التی تلبس من مکسب باطل (ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) جو لباس آپ زیب تن فرماتے ہیں (یہ ملحوظ خاطر رہے کہ) وہ غلط طریقہ کی کمائی کا نہ ہوا کرے۔" من الاثم قال وھی فی کلام العرب نقیّ الثیاب۔ (فریابی، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم بروایت صحیحہ) اے حبیبؐ آپ کا دامن پاک ہمیشہ پاک ہی رہے۔ محاورۂ عرب میں ایسے ہی اصحاب کو نقی الثیاب یعنی پاک دامن کہتے ہیں۔" جن کا عمل اچھا ہو۔

دیگر تفاسیر سعید بن جبیرؓ فرماتے ہیں:۔ کان الرجل فی الجاھلیۃ اذا کان

غدرا قالوا فلان دنس الثیاب۔ (ابن ابی شیبہ ابن المنذر) زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص بدعہدی کا مرتکب ہوتا تو اس کی نسبت کہا کرتے کہ فلاں شخص کلاہ من آلودہ ہے۔" ابو رزینؒ فرماتے ہیں:۔ عملك اصلحه كان اهل الجاهلية اذا كان الرجل حسن العمل قالوا فلان طاهر الثياب۔ (ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر) اپنے عمل کو درست رکھئے۔ جاہلیت والوں کا محاورہ تھا کہ کسی انسان کا عمل نیک ہوتا تو وہ کہا کرتے کہ فلاں شخص پاک دامن ہے۔" مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ وعملك فاصلح۔ (سعید بن منصور عبد بن حمید ابن المنذر) آپ جس حال میں بھی ہوں ہمیشہ اپنا عمل درست رکھئے۔" یہ بھی فرمایا:۔ ليس ثيابه الذي يلبس۔ (عبد بن حمید) جو لباس پہنا کرتے ہیں (فقط) وہی مراد نہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ ان تفاسیر میں باہم اختلاف نہیں ہے۔ فرق حقیقت و مجاز کا ہے۔ کسی نے ثیاب کو حقیقی معنی لباس کی بنا پر اس کو دھو لینے اور صاف ستھرا رکھنے پر محمول کیا۔ اور اس سے یہ معنی بھی نکالے کہ حلال کمائی سے لباس تیار کرنا چاہئے۔ اور کسی نے ثیاب سے دامن مراد لیا یعنی اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا چاہئے۔ گناہوں سے اس کو آلودہ نہ کرلے۔ سب کا مآل ایک ہی ہے کہ مسلمان کوئی برہنہ سادھو نہیں ہے۔ وہ لباس زیب تن کریگا۔ حلال کمائی سے ستر پوش رہیگا۔ اس کا لباس نجس میلا کچیلا نہ ہوگا۔ پاک صاف رہیگا۔ اگر پھٹا پرانا ہو تو اس کو پیوند وغیرہ لگا کر درست کرلیگا مگر ہمیشہ طہارت اور

ستھرائی کا لحاظ رکھیگا۔ اور نہ صرف یہی بلکہ جیسا اس کا لباس ظاہری نجاست سے دور ہوگا اسی طرح اس کا باطن بھی گناہ، شرک اور کفر کی آلودگیوں سے پاک رہیگا۔ نہ وہ دانستہ کوئی گناہ کریگا اور نہ بداعتقادی کا شکار بنا رہیگا۔ مومن خود پاک ہے۔ المومن لا ینجس۔ اس کا بدن بھی پاک، اس کا جامہ بھی پاک، اس کا دل بھی پاک، اس کی جگہ بھی پاک، وہ کھاتا بھی پاک چیزیں، پاک کمائی سے، پاک طریقہ سے۔ بولتا بھی ہے پاکیزہ باتیں۔ کرتا بھی ہے پاکیزہ کام ارشاد باری ہے:۔ یاَیّھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا۔ اے گروہ پیغمبراں! پاکیزہ چیزیں کھایا کیجئے اور پاکیزہ و نیک عمل کیا کیجئے"۔

سبحان اللہ! قرآن کریم کی کیا بلاغت اور کیسا ایجاز و اختصار ہے کہ یہ سارا مضمون صرف دو کلمات وثیابک فطھّر میں مندرج و مندمج ہے۔

والرجز فاھجر کی تفسیر وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ ۔ اور گندگی سے دور رہیئے"۔

محیط المحیط میں ہے:۔ الرِّجز والرُّجز القذر و عبادۃ الاوثان والعذاب والشرك۔ رجز کسر راء کے ساتھ ہو یا ضم راء کے ساتھ۔ اس کے معنی ہیں پلیدی، بت پرستی، عذاب اور شرک"۔ مشہور قرأت بہ ضم راء ہے۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الرُّجز بہ ضم راء پڑھتے ہوئے سنا ہے"۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

حضور نے بکسر راء بھی پڑھا ہے۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) حضرت جابرؓ فرماتے ہیں:۔ ھی الاوثان ۔ (حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) یہاں رجز سے بت مراد ہیں" مطلب یہ ہوا کہ آپ جس حال میں بھی ہوں بت پرستی سے اپنے آپ کو دور رکھئے" تاریخ شاہد ہے کہ بت پرستی سے آپ کو طبعاً نفرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اعلان نبوت ورسالت سے قبل بھی آپ کبھی اس جانب مائل نہ ہوئے۔ پھر عقل سلیم کب اجازت دیتی ہے کہ بت جو درحقیقت ایک پتھر ہے۔ انسان اس کو اپنے ہاتھ سے تراشتا اور اس کی صورت گری کرتا ہے۔ خود ہی اس کو بنائے اور خود ہی اس کی پوجا کرے۔ وہ بت جو نہ کسی قسم کا کسی کو نفع پہنچا سکے اور نہ اس کی کسی مضرت کو دفع کر سکے پھر اس کی پوجا کی جائے آخر کس بنا پر؟ وہ تو اپنے اوپر سے مکھی تک نہیں اڑا سکتا وہ دوسروں کے نفع و ضرر میں کیا ہاتھ بٹا سکتا ہے؟۔ خدائی صفات سبعہ پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:۔ حی سمیع بصیر علیم متکلم قدیر فعال لما یرید۔ وہ زندہ ہے سنتا ہے دیکھتا ہے جانتا ہے کلام فرماتا ہے قدرت والا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے" بت میں ان میں کی ایک صفت بھی نہیں تو ایسا مردہ بہرا اندھا بے خبر گونگا عاجز بے ارادہ کسی کے کیا کام آئے۔ اور کوئی اس کو لیکر کیا کرے؟ اسی لئے حکم ہوا کہ بت پرستی سے دور رہئے۔

دوسری تفسیر بعض مفسرین نے یہاں رُجز سے پلیدی کے معنی مراد لئے ہیں تو گویا

یہ آیۂ کریمہ آیت سابقہ کا تتمہ ہے جس سے حکم سابق کی تاکید مطلوب ہے۔ وثیابک فطہر اس کا ایجابی پہلو تھا اور والرجز فاھجر اس کا سلبی پہلو ہے۔ معنی یوں ہوں گے کہ اپنے کپڑوں کو یا اپنے دامن کو یا اپنے آپ کو ہمیشہ طاہر مطہر رکھئے، کبھی بھول کر بھی گندگی کے پاس تک نہ جایئے۔ ہمیشہ اس سے دور رہیے۔ دوسری جگہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ فاجتنبوا الرجس من الاوثان۔ پلیدی بتوں ہی کی ہے اس سے دور رہو۔" اس اعتبار سے ہر دو معنی کا ایک ہی مفہوم ہوا۔ رجز کے معنی پلیدی کے ہوں یا بت کے لہٰذا اس سے دور رہیے۔ اس صورت میں تاکید نہیں بلکہ تاسیس مراد ہوگی یعنی وثیابک فطہر کے ذریعہ جو حکم سنایا گیا تھا وہی حکم والرجز فاھجر کے ذریعہ سنانا مراد نہ ہوگا بلکہ ایک نیا حکم سنانا مقصود ہوگا کہ اپنا دامن بھی پاک رکھو اور بت پرستی کے پاس بھی نہ جاؤ۔"

ولا تمنن تستکثر کی تفسیر | ولا تمنن تستکثر۔ اور احسان نہ کیجیے تاکہ اس سے زیادہ طلب کرو۔" جمہور مفسرین کرام کے نزدیک اس آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہیں:۔ لا تعط مالک لتعطی اکثر منہ۔ اپنا مال نہ دیجئے اس نیت سے کہ آپ کو اس سے زیادہ دیا جائے۔" چنانچہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ لا تعط مصانعۃ رجاء افضل منہ من الثواب۔ (ابن مردویہ) تدبیر اور چال کے طور پر نہ دیجئے اس توقع پر کہ اس کا بدلہ اس سے بہتر اس کے پاس سے ملے۔" جیسا کہ بعض لوگ کسی دولت مند

اور غنی کے ساتھ ابتداءً کچھ سلوک کرتے ہیں اور اس پر خرچ کر دیتے ہیں تاکہ وہ اپنی حیثیت کو پیش نظر رکھ کر اس سے زیادہ اس پر خرچ کرے۔ گویہ ناجائز نہیں مگر نبوت و رسالت کے اخلاق فاضلہ کے مطابق نہیں۔ چنانچہ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ وانما نزل هذا فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم (عبد بن حمید ابن المنذر) یہ حکم حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک میں نازل ہوا" گویا یہ آپ کی خصوصیات میں داخل ہے۔ امت اس کی مخاطب نہیں۔ اور ضحاکؒ فرماتے ہیں:۔ وھی للنبی صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ والناس موسع علیھم۔ (عبد بن حمید) یہ ممانعت خصوصیت کے ساتھ حضرت تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے۔ دوسروں کے لئے اس میں وسعت و گنجائش ہے" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ علمائے ملت و مشائخ کرام جو ورثۃ الانبیا ہیں ان کو بھی اس سے دور رہنا چاہیے۔

دوسری تفسیر حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ لا تعط شیئا طمعا لمجازاۃ الدنیا فی لوجہ اللہ خالصا۔ اور نہ دیجئے کوئی چیز اس نیت سے کہ اس کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے بلکہ جس کسی کو جو بھی دیجئے خالصاً لوجہ اللہ دیا کیجئے" تبلیغ احکام کا صلہ تو انبیائے سابقین سلام اللہ علیہم اجمعین کی طرح آپ بھی کسی سے کچھ نہیں چاہتے تھے۔ لا اسئلکم علیہ اجراً عام عمل درآمد تھا۔ اس پر مستزاد آپ کا عمل شریف یہ تھا کہ دوسرے لوگ اگر

کوئی ہدایا و تحائف پیش کرتے تو آپؐ ان کو خوشی سے قبول فرماتے۔ پھر اس کا بدلہ بطور احسن فرمادیتے۔ مگر جو تحفہ آپ کسی کو عنایت فرماتے اس کا بدلہ کسی سے نہ چاہتے۔

دیگر تفاسیر بعض مفسرین کرام نے اس آیۂ کریمہ کے اور معانی بھی لکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک معنی یہ ہیں:۔ لا تمنن علی الفقیر اذا اعطیتہ مستکثرا اعطائک۔ کسی محتاج کو جب کبھی آپ کچھ عنایت فرمائیں تو اپنی داد و دہش کو زیادہ خیال کرکے اس پر کوئی احسان نہ جتایئے۔ چنانچہ ایک موقع پر ایک اعرابی کو بکریوں کا ایک ریوڑ ہی عنایت فرمایا۔ وہ اتنی زیادہ بکریاں تھیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان کا سارا میدان بکریوں سے بھر گیا تھا۔ چنانچہ ایک شاعر لکھتا ہے:۔

قد جآء اعرابیٌ التمس الندیٰ اعطاہ شآءً ضمّھا الجبلان

وعظ و نصیحت، تبلیغ و دعوت بھی داد و دہش میں داخل ہے۔ اس کا بھی کچھ صلہ قوم سے طلب نہیں کیا جاسکتا۔ صرف اللہ سبحانہ کے دئے ہوئے پر شاکر و صابر رہنا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہے

ولربک فاصبر کی تفسیر وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ اور صرف اپنے پروردگار کی راہ دیکھتے رہیئے۔ یعنی انجام کار کامیابی آپ کے ہاتھ ہے۔ اس کا حصول اپنے وقت پر ہوگا۔ اس وقت تک آپ کا کام صرف یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی طاعات و عبادات کی بجاآوری میں سرگرم رہیں اوامر پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ نواہی سے نہ صرف خود

باز رہیں بلکہ اوروں کے بھی باز رہنے کی سعی بلیغ فرماتے رہیں۔ آپ کو دین کی راہ میں ڈھیروں رکاوٹیں
پیش آئینگی، ایذائیں پہنچائی جائینگی۔ استہزاء کیا جائیگا، دل آزار خطابات و القاب
تراشے جائینگے۔ اہل باطل کے ساتھ آپ کے محاربات رہیں گے۔ جو صورت بھی درپیش ہو
کمال پامردی اور استقامت سے ان سب کا جواب ایک ہی ہے صبر یعنی حکم الٰہی کا انتظار۔
اللہ اکبر! لفظ "صبر" ایک ہی کلمہ ہے مگر اپنے اندر کتنی جامعیت اور کیسی بے پایاں وسعت
رکھتا ہے کہ زندگی کے سارے مراحل اس میں شامل ہیں۔ سیرت مبارک پڑھے جائیے
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ذات اقدس اس کا نمونہ اور بے مثل مثال تھی۔ ارواحنا فداہ۔

فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۙ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ۙ عَلَى 74-8 74-9
الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ۝ پھر جب بجنے لگے وہ کھوکھری چیز عہ پھر وہ دن مشکل 74-10
دن ہے منکروں پر نہیں آسان۔ یعنی اے نبی کریم! آپ ان کی ایذاؤں پر صبر فرمائیے

عہ النقر ضرب الرحی والجحر وغیرہ بالمنقار...... ونقر البیضۃ عن الفرخ ینقرھا
نقرا نقبھا وقولہ تعالی فاذا نقر فی الناقور ای الصور الذی ینقر فیہ الملک ای ینفخ
فیہ للحشر و نقر فیہ ای نفخ وھو مجاز و قیل فی التفسیر انہ یعنی بہ النفخۃ الاولی
وقال الفراء یقال انھا اول نفختین۔ (تاج العروس) نقر کے معنی لوہے کے آلہ سے چکی پتھر وغیرہ کو

ان کو ایک ایسا خوفناک دن درپیش ہونے والا ہے جس میں ان کو ان ایذاؤں کی سزا ملیگی' اور وہی دن آپ کو اپنے صبر کی جزا ملنے کا بھی ہوگا۔ یہ وہ دن ہے جبکہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے اٹھیں گے وہ دن بڑا ہی کٹھن ہوگا۔ جو کافروں کے حق میں کچھ بھی سہولت کا موجب نہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو اہل ایمان ہوں گے ان کا حکم جدا ہے یعنی ان کے حق میں اس روز کچھ بھی دشواری نہ ہوگی۔

احادیث صحیحہ میں صور کے متعلق جو ذکر آیا ہے اوس پر ہمیں اعتقاد رکھنا چاہیے۔

خشیت ایمانی ہر چند کہ اس آیہ کریمہ میں اس دن کی سختی وہولناکی کافروں کے حق میں آئی ہے۔ اہل ایمان کا اس میں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ذکر نہ ہونا علامت اس امر کی ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) 'ناکنا' اور مرغ کے چوزے کا انڈے میں سوراخ ڈالنا' اور ارشاد باری فاذا نقر فی الناقور سے فرشتہ کا صور پھونکنا مراد ہے تاکہ سب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں۔ یہ مجازی معنی ہیں اسکی تفسیر میں کہتے ہیں کہ پہلا صور مراد ہے اور فراء امام نحو نے بھی یہی فرمایا ہے کہ یہ پہلا صور ہی بیان کیا جاتا ہے المنقر قوع المنقر المضی الی التعب المنقار ما ینقر بہ کمنقار الطائر الحدیدۃ التی ینقر بھا الرحی ..... والناقور الصور قال فاذا نقر فی الناقور۔ (مفردات) نقر کے معنی کسی چیز کو ٹانکنا جس سے سوراخ ہو جائے منقار ٹانکنے کا آلہ جیسے پرندے کی چونچ یا لوہے کا آلہ جس سے چکی کو ٹانکا جاتا ہے۔ اور ناقور سے صور مراد ہے۔ ارشاد باری ہے۔ فاذا نقر فی الناقور ای نفخ فی الصور۔ واللہ اعلم۔

اہل ایمان کے حق میں اس دن ایسی دشواری اور کوئی خوف و ہراس حائل نہ ہوگا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کی خشیت کا اندازہ حدیث ذیل سے کیا جا سکتا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں کیف انعم۔ میں خوش عیش کیسے ہو سکتا ہوں؟ اور صحابہ کرام پر بڑا گرانی گزر رہی ہے تو ان کو یہ دعا تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ حسبنا اللہ و نعم الوکیل علی اللہ توکلنا پڑھا کرو۔ اگرچہ اہل ایمان کو خوف نہیں۔ مگر خشیت رفع نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ حضرت زرارہ بن ابی اوفیؓ کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت بہز بن حکیم فرماتے ہیں:۔ امّنا زرارۃ بن ابی اوفی فقرأ المدثر فلما بلغ فاذا نقر فی الناقور خرّ میتا فکنت فیمن حمله۔ (ابن سعد، حاکم) زرارہ بن ابی اوفیؓ نے ہماری امامت کی اور سورۂ مدثر شروع کیا۔ جب فاذا نقر فی الناقور کے پاس پہنچے تو غش کھا کر گرے اور جاں بحق ہو گئے۔ چنانچہ ان کو اٹھا لانے والوں میں میں خود بھی تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

یہ حدیث ترمذی شریف میں بھی ہے۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّ 74-11 74-12
بَنِیْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۙ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۙ كَلَّا ؕ 74-13 74-14
چھوڑ دیجیے مجھ کو اور اس کو جس کو پیدا کیا میں نے اکیلا۔ اور دیا اس کو میں نے مال پھیلا کر 74-15 74-16
اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے۔ اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری۔ پھر لالچ رکھتا ہے کہ

اور کبھی دوں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

شان نزول' ولید کی تقریر امام بغوی فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد حرام میں نماز ادا فرما رہے تھے اس میں سورۂ غافر کی ابتدائی آیت تلاوت فرمائی تو ولید بن مغیرہ مخزومی سن رہا تھا جس سے وہ بہت متاثر ہوا۔ جب وہ بنی مخزوم میں آیا تو کہنے لگا:۔ واللہ لقد سمعت من محمدؐ آنفا کلاما ماھو من کلام الانس ولاھو من کلام الجن ان لہ لحلاوۃ وان علیہ لطلاوۃ وان اعلاہ لمثمر وان اسفلہ لمعذق وان یعلو ولا یعلی۔ خدا کی قسم! ابھی ابھی محمدؐ سے میں نے ایک کلام سنا ہے جو نہ کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے اور نہ کسی جن کا' اس کی ایک عجیب شیرینی ہے اور عجیب چاشنی' اس کی انتہا پُرثمر اور اس کا آغاز شاخ ہائے بار آور اس کی شان بلند سے بلند تر' اور کسی دوسرے کلام کے تفوق سے بالاتر۔"

ولید کی تقریر کا اثر اور ابوجہل کا مکر اس تقریر سے تمام قریش میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ کہنے والوں نے کہہ دیا کہ ولید اپنے آبائی دین سے پھر گیا۔ اب قریش کی خیر نہیں وہ بھی سب اپنا آبائی دین چھوڑ دیں گے۔ کیونکہ تمام لوگ اس کو ریحانۃ قریش کہا کرتے تھے یعنی قریش کا پھول۔ ابوجہل کو خبر ہوئی تو کہا کہ اس جھم کو میں سر کر لوں گا چنانچہ وہ آیا اور ولید کے پاس غمزدہ ہو کر بیٹھ گیا۔ ولید نے پوچھا۔ بھتیجے! تو متفکر کیوں ہے

ابوجہل نے کہا کیوں فکر نہ کروں۔ تمام قریش تیرے لئے چندہ جمع کر رہے ہیں تا کہ بڑھاپے میں تیری مدد کریں۔ سب کہہ رہے ہیں کہ تو اپنے بڑھاپے کے مارے روزانہ ابن ابی کبشہ اور ابن ابی تحافہ کے ہاں پہنچتا اور ان کے دسترخوان کا بچا کچھا کھا لیا کرتا ہے

ولید کی برافروختگی یہ سن کر ولید غضبناک ہو گیا اور نہایت برافروختہ ہو کر کہنے لگا

المریعلم قریش انی من اکثرھم مالا وولدا، وھل شبع محمد واصحابہ من الطعام فیکون لھم فضل۔ کیا قریش کو معلوم نہیں کہ ان سب میں مال اور اولاد کے اعتبار سے میں بڑھا ہوا ہوں۔ (پھر میں کسی کے گھر بچا کچھا کھانے کیوں جانے لگا) کیا محمدؐ اور ان کے ساتھیوں کو اتنا کھانا نصیب بھی ہے کہ ان کے کھا لینے کے بعد کچھ بچ رہے (پھر کس بنا پر وہ کہتے ہیں کہ میں کسی کا پس خوردہ کھانے کیلئے جایا کرتا ہوں) اسی غصہ میں وہ اٹھا اور اپنی قومی مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔ اور ایک ایک سے دریافت کرتا گیا:۔

ولید کا قریش سے خطاب تزعمون ان محمدا مجنون فھل رأیتموہ ینطق قط قالوا اللھم لا۔ قال تزعمون انہ کاھن فھل رأیتموہ قط یکھن۔ قالوا اللھم لا۔ تزعمون انہ شاعر فھل رأیتموہ ینطق بشعر قالوا اللھم لا۔ قال تزعمون انہ کذاب فھل جربتم علیہ من الکذب۔ قالوا اللھم لا۔ وکان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم یسمی الامین قبل النبوۃ لصدقہ۔ کیا تمہارا زعم ہے کہ محمدؐ دیوانے ہیں۔ کیا کبھی ان کو تم نے دیکھا ہے کہ کوئی مجنونانہ کلام کبھی بھی انھوں نے کیا ہے؟ سب نے متفق اللفظ کہا خدا شاہد ہے کہ وہ دیوانے نہیں ہیں۔ ولید نے کہا کیا تمہارا ادعا ہے کہ وہ کاہن ہیں؟ کیا کبھی کاہنوں کی سی باتیں کرتے ہوئے ان کو دیکھا ہے؟ سبھوں نے کہا۔ خدا کی قسم نہیں دیکھا۔ پھر کہا کیا تمہارا یہ دعوی ہے کہ وہ شاعر ہیں؟ کیا کبھی اشعار سناتے ہوئے ان کو دیکھا ہے؟ سب کہنے لگے کہ ایسا بھی نہیں دیکھا خدا شاہد ہے۔ آخر پر کہا کیا تمہارا خیال ہے کہ وہ جھوٹے ہیں؟ کیا کسی امر میں تم نے ان کو آزمایا ہے اور ان کے جھوٹ کا امتحان و تجربہ کیا ہے؟ سب کے سب کہنے لگے اللہ کی قسم ان کو کبھی ایسا بھی نہیں دیکھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ نبوت سے پہلے بھی آپ کی صداقت و راستبازی کی بنا پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو امین کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔"

قریش کا سوال اور ولید کا جواب

ولید کی یہ تقریر سنتے ہی قوم کو موقع مل گیا۔ قوم نے ولید سے دریافت کیا۔ فما ھو۔ آخر تمہاری رائے میں وہ ہیں کیا جب کہ وہ مجنون نہیں، شاعر نہیں، کاہن نہیں، کذاب نہیں۔ یہ سن کر اپنے میں آپ سوچ میں پڑ گیا پھر ادھر ادھر دیکھا (تو قوم پر نظر پڑی اور قوم کا خیال غالب آگیا) پھر ترش رو ہو

منہ بنا کر کہنے لگا۔ ھل ھوالاّ ساحر من رأیتموہ یفرق بین الرجل و اھلہ و ولدہ وموالیہ' وہ کچھ نہیں مگر جادوگر ہیں۔ اور جن جن ساحروں کو تم نے دیکھا ہے ان سب سے ان کا جادو بڑھا ہوا ہے۔ وہ انسان اور اس کی بی بچوں میں پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ اور باندی غلاموں ہیں تک تفریق کا باعث بن جاتے ہیں" حالانکہ سورۂ نون کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ آپ کے ساحر ہونے کی بھی ولید نے نفی کی تھی۔ مگر اب کی دفعہ قوم کی خاطر غالب آئی تو ان کو راضی کرنے کے لئے بات بدل دی اور ساحر قرار دیا جس سے قوم خوش ہوگئی کہ ولید نے اپنا دین بدلا نہیں۔ آبائی دین پر قائم ہے۔

ولید پر عتاب الٰہی اس کے جواب میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہو رہا ہے ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا۔ مجھے چھوڑ دیجئے اس کے ساتھ جس کو میں نے یکہ و تنہا پیدا کیا۔ یعنی اکلوتا بیٹا۔ کیونکہ اس کا کوئی بھائی بہن نہ تھے۔ یا اس اعتبار سے یکہ کہ وہ ولدالزنا تھا۔ مغیرہ جو اس کا باپ کہلاتا تھا وہ دراصل عنّین تھا۔ ولید کے پیدا ہونے سے اس کو خوشی نہیں ہوئی۔ ولید اٹھارہ سال کا ہوا تو کب کہیں اس نے اپنی فرزندی کا اقرار کیا تھا۔ یا یکہ شرارت و فساد میں۔ یا یہ کہ وہ جب پیدا ہوا تو خالی ہاتھ تھا۔ کوئی مال و اسباب اپنے ساتھ لایا نہ تھا جیسے ہر کوئی شخص پیدا ہوتا ہے تو وہ اسطرح ہاتھ خالی پیدا ہوتا ہے۔

وحیداً کی تفسیر بعض مفسرین کرام نے وحیداً کو حال قرار دیا ہے ذرنی کی ضمیر متکلم کا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے ذرنی وحیداً۔ یعنی اس کو سزا دینے کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دیجئے۔ میں اکیلا اس کو سزا دوں گا۔ یا خلقت کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے۔ اس وقت یہ معنی ہوں گے۔ خلقت وحیداً "تنہا میں نے اس کو پیدا کیا"۔ ان صورتوں میں بھی معنی درست ہو جاتے ہیں مگر اکثر مفسرین نے وحیداً کو مَنْ کا حال قرار دیا ہے جس کی تفسیر اوپر گزری۔ اور اسی اعتبار سے ہم نے آیۂ کریمہ کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مالاً ممدوداً کی تفسیر وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا۔ اور دیا اس کو میں نے مال پھیلا کر"۔ یعنی وافر دولت و مال، نفع آور کاموں میں لگا ہوا۔ ولید کی تجارت بہت بڑی تھی۔ کھیتیاں اور باغات بھی خوب تھے، مویشی وغیرہ بھی بکثرت تھے۔ باندی غلاموں کی بھی کمی نہ تھی۔ یہ تمام چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں ترقی ہی ترقی ہوتی رہتی تھی۔ نقد مال کی مقدار حضرت ابن عباسؓ مجاہدؒ اور سعید بن جبیر کی روایات میں الف دینار اور حضرت قتادہ کی روایت میں الف الف ہے یعنی ہزار اشرفی یا دس لاکھ اشرفی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں مزید تصریح یہ ہے:۔ غلۃ شہر لشہر یعنی یہ آمدنی ماہ بماہ ہوتی تھی"۔

بنین شہوداً کی تفسیر وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا۔ اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے"۔

ان کی تعداد کے بارے میں بھی روایات مختلف ہیں۔ کسی میں سات، کسی میں دس اور کسی میں تیرہ۔ لفظ بَنِیْنَ جمع کثرت کا صیغہ ہے جس کا اطلاق دس اور اس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ شہود بھی جمع کثرت کا صیغہ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دس یا تیرہ کی تعداد ہی صحیح ہے۔ سات کی روایت اس اعتبار سے ہے کہ ان کے نام کتابوں میں ملتے ہیں۔ پھر یہ سب کے سب جوان، بی بچوں والے۔ ہر ایک کا ٹھکانہ مستقل۔ بڑے ٹھاٹھ سے رہنے والے۔ ولید جس مجلس میں رہتا تو یہ سب اس کے ساتھ رہتے۔ سارے تجارتی، زراعتی کاروبار غلام اور ملازمین انجام دیتے اور تمام بیٹے باپ کے ساتھ رہتے۔

وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا کی تفسیر

وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا۔ اور تیاری کر دی اس کے لئے خوب تیاری۔" یعنی ایک طرف سے ذرائع آمدنی وسیع، دوسری طرف کثرت اولاد، اس خوش حالی و رفاقت کے ساتھ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ سارا قریش اس کو اپنا سردار اور مقتدی مانتا، اور گردش چشم اور اشارۂ ابرو پر اپنا سب کچھ فدا کرنے کے لئے تیار رہتے۔ قوم میں اس کی بات سنی جاتی۔ اور اس کی رائے پر سب کو اعتماد حاصل تھا۔ ہر کوئی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا۔ غور کیجئے کہ یا تو وہ تہی دست یکہ و تنہا پیدا ہوا، یا اب یہ صورت ہے کہ سب کچھ اس کو میسر ہے۔ اس طرح تمام خوش آیند چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا بہت ہی شاذ و نادر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کسی نے اس کو ریحانۂ قریش کا خطاب

دے رکھا تھا۔ کوئی اس کو وحید قریش کہتا کہ ایسا قسمت والا پورے قبیلۂ قریش میں بھی ایک ہے۔

یطمع ان ازید کی تفسیر ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ۔ "پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور بھی دوں" بات یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ایمان لانے اور دین اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور خلد بریں کی دائمی نعمتوں اور وہاں کے پائدار لطف کا ذکر فرماتے تو کہتا :۔ ان کان محمد صادقا فما خلقت الجنۃ الا لی۔ جو تقریریں محمدؐ کیا کرتے ہیں اگر ان میں وہ سچے ہیں تو جنت صرف میرے لئے ہی پیدا کی گئی ہے۔ میرے سوا اور کوئی اس کا مستحق نہیں ہو سکتا" یعنی جو نوازش دنیا میں مجھ پر ہے کہ انسانی تمناؤں کو میرے لئے جمع کر دیا گیا ہے۔ تو آخر کوئی امتیاز سب میں مجھ کو حاصل ہے؟ یہی امتیاز وہاں بھی میرے ساتھ قائم و برقرار رہیگا۔

کلا کی تفسیر کَلَّا ارشاد باری ہو رہا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا" کیوں نہیں ہو سکتا اس کی وجہ آگے آ رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ولید کا ادبار شروع ہوا۔ مال و دولت میں گھاٹا آنے لگا۔ شدہ شدہ اس کی تمام دولت تباہ و تاراج ہو گئی۔

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں :۔ فلما نزلت لم یزل فی ادبار من الدنیا فی نفسہ ومالہ وولدہ حتیٰ اخرجہ من الدنیا۔ (سعید بن منصور، ابن المنذر، ابن ابی حاتم)

جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تو دنیا ہی میں اس کا ادبار شروع ہوگیا۔ اس کی ذات میں بھی اس کے مال میں بھی اور اس کی اولاد میں بھی یہاں تک کہ اس کو دنیا سے باہر نکال پھینکا" ابومالک فرماتے ہیں:۔ فلم یولد له بعد یومئذ ولم یزد له من المال الا ما کان۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) اس کے نزول کے بعد اس کے پھر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کے مال میں کوئی ترقی ہونے پائی۔ ہاں جو کچھ تھا بس وہی رہ گیا" آخر وہ کب تک رہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت افلاس کے عالم میں ایڑیاں گھس گھس کر بڑی ذلت وخواری کے ساتھ مرا۔ اس کا سبب یہ تھا:۔

إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ○ سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ○ وہ ہماری 74-16 74-17

آیتوں کا مخالف، اب اسے چڑھواؤں گا بڑی چڑھائی"

عنیداً کی تفسیر خدا تعصب اور عناد کا ناس کرے کہ یہ بیماری جہاں پھیلتی ہے انسان کو اندھا، بہرا، گونگا، بنا دیتی ہے۔ حقیقت سے اس کی آنکھ بند ہو جاتی ہے اب حقیقت حال اس کو نظر نہیں آتی۔ کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ کتنی ہی نصیحت کی جائے اور کیسی ہی فہمایش کیجیے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ حقیقت کا اقرار علی الاعلان کرنے کے بعد انسان پھر اس سے منکر ہو جاتا ہے۔ سچی بات جو حقیقت کی آئینہ دار ہو اب اس کی زبان سے نہیں نکلتی۔ سورۂ غافر کی ابتدائی آیات جس وقت ولید نے تازہ تازہ سنی تھیں

اس دم اس کا جو تاثر تھا وہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔ اس کے بعد ابوجہل کے ورغلانے اور قومی تعصب غالب آتے ہی اس کا جو رنگ بدلا وہ بھی آپ نے دیکھ لیا۔ اسلئے ارشادِ باری ہو رہا ہے کہ وہ تو ہماری آیات کا مخالف ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں جو دولت اور نعمتیں ہم نے اس کو دی ہیں اس کے علاوہ آخرت میں نعیم جنت سے بھی سرفراز کریں؟ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ حصول جنت کی جو راہ ہے یہ اس کو اختیار کرنا ہی نہیں چاہتا پھر اس کو یہ خبط سمایا ہوا ہے کہ جنت اس کے سوا کسی کو نہیں مل سکتی : ع

این خیال است و محال است و جنوں :

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل است

صعوداً کی تفسیر بیجا ترقی کا جنون اور خبط اس کے سر پر سوار ہی ہے تو اس کی سزا کی ایک صورت ہم نے تجویز کر رکھی ہے وہ یہ کہ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ اب اسی سے چڑھاؤں گا بڑی چڑھائی"۔ حضرت ابوسعید خدریؓ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا :- الصعود جبل فی النار یصعد فیہ الکافر سبعین خریفا ثم یھوی وھو کذلک فیہ ابدا (امام احمدؒ، ابن المنذر، ترمذی، ابن ابی الدنیا، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) دوزخ میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام صعود ہے۔ کافر اس پر ستر برس تک چڑھتا رہیگا۔ پھر نیچے پھسل آئیگا۔ اور وہ اسی اُتار

چڑھاؤ میں ابد الآباد رہیگا۔" اور انہیں سے دوسری روایت یوں ہے :۔ ان صعودا صخرۃ فی جھنم اذا وضعوا ایدیھم علیھا ذابت فاذا رفعوھا عادت' واقتحمھا فک رقبۃ' واطعام فی یوم ذی مسغبۃ' یتیما ذا مقربۃ' اومسکینا ذا متربۃ۔ (عبدالرزاق، سعید بن منصور، فریابی، عبد بن حمید، ابن ابی الدنیا، ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ، بیہقی) صعود نامی دوزخ میں ایک چٹان ہے۔ (جہنمی لوگوں کو اس پر چڑھنے کا حکم ہوگا) جب وہ اس پر ہاتھ رکھیں گے تو وہ پگھل جائیگی۔ پھر جب ہاتھ اٹھائینگے تو اصلی حالت پر آجائیگی۔ اس میں گھسنے اور چڑھ جانے کی تدبیر یہ ہے کہ (دنیا میں) کسی غلام کو آزاد کیا جائے۔ یا بھوک کی حالت یا قحط کے زمانے میں کھانا کھلایا جائے کسی یتیم کو جو اپنے اہل قرابت کا ہو۔ یا کسی مسکین کو جو بھوک سے نڈھال ہوکر زمین پر پڑا ہوا ہو۔"

ناشکری کی سزا ولید کو اللہ سبحانہ نے اتنی دولت اور اس کے سارے لوازم دئے تھے مگر کلمہ شکر کبھی اس کی زبان سے نہ نکلا، کبھی خدا کو یاد تک نہ کیا۔ رات دن اپنی تعلّی اور تفاخر میں گزارتا تھا۔ وہ کسی غلام کو کیا آزاد کرتا۔ دن بھر رات بھر ان سے کام لیتا رہتا بیٹوں کو اپنے پاس بٹھا رکھتا اور کام کا سارا بوجھ غلاموں پر ڈال رکھا تھا۔ کسی یتیم اور مسکین کو کیا کھلاتا۔ بلکہ اپنے اہل قرابت کے ایک یتیم کا مال دبا رکھا۔ جب وہ جوان ہوکر اپنے باپ کا مال طلب کرنے آیا تو اس کو دھکے دلا کر نکال دیا۔ یدع الیتیم ولا

ولا یحض علی طعام المسکین کی آیات بھی اسی خبیث کے باب میں نازل ہوئی ہیں'
یہی وجہ تھی کہ اس کا ادبار یہیں سے شروع ہوا اور وقت آخر تہیدست ہو کر ذلت کی
موت مرا۔ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم
ان عذابی لشدید۔ اگر تم شکر گزار بنے رہو تو ہم نعمتوں میں اور اضافہ کریں گے
اور جو ناشکری کی تو ہمارا عذاب سخت ہے" اسی کا مزید بیان آگے آرہا ہے:۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ 74-18 74-19 74-20
قَدَّرَ ۙ ثُمَّ نَظَرَ ۙ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ 74-21 74-22 74-23
فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۗ 74-24 74-25

اس نے فکر کیا اور دل میں ٹھیرالیا لہٰذا اس پر مار پڑے کیسا ٹھیرایا' پھر اس پر
مار پڑے کیسا ٹھیرایا' پھر نگاہ کی' پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا' پھر پیٹھ پھیری اور
غرور کیا' پھر بولا اور کچھ نہیں' یہ جادو ہے چلا آتا' اور کچھ نہیں یہ کہا ہوا ہے آدمی کا"

ولید کا تلوّن ولید نے اقرار کر لیا تھا کہ قرآن کریم سحر نہیں' شعر نہیں۔ کاہن کا
کلام نہیں' نہ کسی انسان کا نہ کسی جن کا۔ مگر جب قوم کی ناراضی کا حال معلوم ہوا تو سوچ میں
پڑ گیا اب اس کو کیا کہوں؟ دل میں ٹھیرالیا کہ بات بدلنی چاہیے۔ اسی پر عتاب الٰہی ہو رہا
ہے کہ بات بدلنے کی اس کو کیسے سوجھی۔ مثل مشہور ہے:۔ قولِ مرداں جان دارد۔

ایسا دولت مند، ایسا ذی وجاہت، رئیس قوم ہر طرح سکھ چین سے گزارنے والا اپنی بات سے پھر جانے کا خیال اس کو کیسے ہوا۔ مقام تعجب و تاسف ہے۔ اسی لئے بار بار یہ جملہ دہرایا جا رہا ہے فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ، ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ اس پر مار پڑے کہ بات بدلنے کی تجویز کیسی ٹھان لی۔ پھر غضب کی مار پڑے کہ بات پلٹنے کی تدبیر پہ مستحکم ہوگیا۔ آتنا سب کچھ کرنے پر بھی کچھ بن نہ پڑا تو قرآن کریم پر حضور انور پر اور اپنی قوم پر نگاہ کی۔ تیوری چڑھانا، ترش رو ہونا، منہ بنانا، اور منہ چڑانا شروع کر دیا۔ پھر نہایت غرور کیا تھا ان کی طرف پیٹھ پھیر دی۔ اس سے یہ بتانا مقصود تھا کہ قرآن کریم اور رسول کریم اس کی نظر میں کچھ نہیں۔ اور اپنی قوم کو منہ بتانے کی بھی کوئی صورت نہیں اس پر بھی بات نہ بنی تو اپنے اقرار کو انکار سے بدل دیا کہ یہ کلام جادو ہے، جو دوسروں سے منتقل ہوتا آیا ہے۔ اس وقت اہل بابل کا جادو مشہور تھا۔ گویا در پردہ یوں کہہ رہا ہے کہ حضور اکرمؐ نے بابل والوں سے جادو سیکھا ہے اور اسی جادو کے زور سے آپ میاں بی بی، باپ بیٹے، بھائی بھائی اور قرابت داروں اور احباب میں پھوٹ ڈال رہے ہیں۔ لہذا یہ انسانی کلام کے سوا اور کچھ نہیں۔

بشر کی تفسیر کہتے ہیں:۔ اراد بالبشر یسارا و جبرا و ابا فکیھۃ، اما الاولان فکانا عبدین من بلاد فارس وکانا بمکۃ وکان النبی علیہ الصلاۃ والسلام

یجلس عندھما واما ابو فکیھۃ فکان غلاما رومیا یتردد الی مکۃ من طرف مسیلمۃ الکذاب فی الیمامۃ (روح البیان) "بشر" سے ولید کی مراد تین اشخاص یسار، جبر اور ابو فکیہہ تھے۔ یسار اور جبر تو ایرانی غلام تھے جو مکہ میں رہتے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ اور ابو فکیہہ رومی غلام تھا جو یمامہ (یمن) والے مسیلمہ کذاب کے پاس سے مکہ کو آیا کرتا تھا۔" ولید کا ادعا تھا کہ حضور اکرمؐ ان ہی لوگوں میں سے کسی سے (نعوذ باللہ) قرآن کریم سیکھتے اور اسکو کلام اللہ کے نام سے پیش کرتے ہیں۔ اللہ سبحانہ نے اس کی تردید سورہ نحل میں فرمائی:—

لسان الذی یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین۔ قرآن کریم کو یہ کفار جس کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ تو فارسی النسل ایرانی ہے جس کی زبان عجمی ہے اور یہ کلام پاک صاف طور پر خالص عربی زبان میں ہے۔ عجمی کو خالص فصیح و بلیغ عربی سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ بہر حال معترض کو اس سے کیا غرض کہ بات جچے نہ جچے۔ جاہل ساتھیوں کی ہاں میں ہاں ملا دینا منظور تھا۔ اس طرح کی بے تکی بے سروپا بات کرکے قوم کو خوش کر دیا۔ اب اس کی پاداش ملاحظہ ہو۔

سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ ۝ 74-26 74-27 74-28

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ اب ڈالوں گا اس کو آگ میں، اور آپ نے 74-29 74-30

کیا سمجھا کیسی ہے وہ آگ، نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، دکھائی دیتی ہے بدن پر، اس پر مقرر ہیں انیس ۱۹ ۔

ولید کو آخرت کی سزا ولید کو ادبار کی سزا اس کی ناشکری کی بنا پر دنیا میں جو کچھ ملی وہ رہی ایک طرف، اس کے علاوہ آخرت کی سزا جو اس کے لئے تجویز کی گئی ہے اس کے بات بدلنے، اور آیات اللہ کا جان بوجھ کر از راہ عناد انکار کرنے کی بنا پر، وہ اس دنیوی سزا سے کہیں زیادہ دردناک ہے۔ وہ ہے آگ کی سزا، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دوزخ کی آگ، دنیا کی آگ کی طرح ہے؟ نہیں نہیں۔ اس کی نوعیت اور کیفیت ہی جداگانہ ہے، دنیا اور آخرت کی آگ کا فرق، اس سے بیشتر کئی آیات کریمہ کی تفسیر میں واضح کیا جا چکا ہے۔ اب چند امتیازات یہاں بھی بتا دئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ لَا تُبْقِیْ جو چیز اس میں ڈالی جائے اس کو باقی نہیں رکھتی۔ اس کا حال ہی دگرگوں ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ لَا تَذَرُ جب کسی کو وہ آگ لگتی ہے تو اس کو پھر کبھی چھوڑتی نہیں۔ ابد الآباد کے لئے بس لگ گئی اور اس کے ساتھ لگی رہی تیسرے یہ کہ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ۔ وہ آگ بدن پر علانیہ دکھائی دیتی ہوگی۔ جیسے لوہا آگ میں ڈال دیا جائے تو اس پر آگ جس طرح غالب آجاتی ہے کہ پورا لوہا آگ ہی آگ دکھائی دیتا ہے۔ اور آگ اس کے ہر حصہ اور ہر جزو میں سرایت کی ہوئی نظر آتی ہے اسی طرح دوزخی

آگ میں ڈالا جائے گا تو وہ بھی آگ کا ایک مجسمہ نظر آتا ہوگا۔ الامان والحفیظ۔

سقر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ سقر اسفل الجحیم نار فیھا شجرۃ الزقوم۔ (ابن المنذر) دوزخ کے سب سے نچلے حصے کا نام سقر ہے۔ جہاں آگ ہی آگ ہے۔ اس میں سینڈھ کا درخت پیدا ہوتا ہے" دوزخ میں زقوم کا درخت پیدا ہونا' ایسا ہی ہے جیسا کہ دنیا کے آتشکدوں میں سالہا سال سے آگ مسلسل سلگی ہوئی رہنے سے آگ کا کیڑا پیدا ہوتا ہے جس کو "سمندر" کہتے ہیں۔ یہ سمندر کیا ہے خالص آگ۔ جس چیز پر بیٹھا اس کو آگ کی طرح جلا کر خاکستر بنا دیا۔ نار دوزخ کو اس پر قیاس کر لیا جائے۔ یہ سقر کی تفسیر تھی۔ البتہ یہ یاد رہے کہ دنیا کی آگ کا رنگ سرخ ہوتا ہے اور نار دوزخ کا سیاہ۔ جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

لا تبقی ولا تذر کی تفسیر لا تبقی ولا تذر کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔ اذا اخذت فیھم لم تبق منھم شیئا واذا بدلوا جلدا لم تذر ان تبادرھم سبیل العذاب الاول۔ (ابن المنذر) سقر کی آگ جب دوزخیوں کو لگتی ہے تو دوزخی کے کسی حصہ اور جزو کو باقی نہیں رکھتی۔ اور جب ان کی جلد تبدیل کی جاتی ہے اور از سر نو بنا کر ان کو کھڑا کیا جاتا ہے تو فوراً اس کو پہلے کی طرح لپٹ پڑتی ہے" ضحاک فرماتے ہیں:۔ تاکله کله فاذا تبدی خلقه لم تذره حتی تقوم علیه

(ابن المنذر) دوزخی کو وہ آگ پورا کھا جاتی ہے۔ پھر جب اس کا جثہ از سر نو تیار ہوتا ہے تو اس کو لپیٹ پڑتی ہے تا آنکہ اس پر غالب آجاتی ہے۔" حضرت ابن بریدہؓ فرماتے ہیں:۔ تأکل اللحم والعظم والعرق والمخ ولا تذرہ علیٰ ذلك (ابن المنذر) سقر کی آگ دوزخی کا گوشت، ہڈی، رگیں، مغز، سب کچھ بھسم کر جاتی ہے پھر بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔" **فقیر** عرض کرتا ہے کہ ان تینوں تفاسیر کا نتیجہ تقریباً ایک ہی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں:۔ لا تحیی ولا تمیت۔ (عبد بن حمید، ابن المنذر) نہ وہ زندہ چھوڑتی ہے اور نہ مار ڈالتی ہے۔" اور اسی مخمصہ میں ابد الآباد تک اسکی یہی حالت رہتی ہے۔ گویا یہ تفسیر، تفاسیر بالا کا خلاصہ ہے۔ لا تبقی ولا تذر کی یہ تفسیر ہوئی۔

لواحۃ للبشر کی تفسیر لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ تلوح الجلد فتحرقہ فیتغیر لونہ فیصیر اسود من اللیل۔ (عبد بن حمید) سقر کی آگ، دوزخی کی پوری جلد پر نمایاں ہونے لگتی ہے تا آنکہ اس کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے جس سے اس کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔ اس کا رنگ اندھیری رات سے بھی زیادہ کالا ہو جاتا ہے۔" حضرت ابو رزینؓ سے بھی اسی طرح منقول ہے جس کی روایت ہمارے امام حضرت سیدنا امام احمد حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن ابی شیبہ نے فرمائی ہے۔

تسعۃ عشر کی تفسیر عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ۔ اس پر انیس ۱۹ مقرر ہیں۔" یعنی

دوزخ کی نگرانی کرنے والے نقباء اور رؤساء کی تعداد انیس ۱۹ ہے جو دوزخ اور اسکے درکات کے انتظامات کے نگراں ہیں۔ دوزخ کے جملہ کاروبار ان ہی کی قیادت اور ذمہ داری پر انجام پاتے ہیں۔ اور اللہ سبحانہ کے آگے یہی جوابدہ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ سقر خود جہنم کا سب سے نچلا حصہ ہے۔ اس سے نکلنا مشکل۔ پھر صعود جو آگ کا پہاڑ ہے اس کا عبور دشوار گزار۔ پھر آگ کی یہ صفت کہ لگی تو چھوٹتی نہیں۔ پھر اس پر (۱۹) نگراں کار کہ ان سے بچنا محال۔ یہ ہیں دار دوزخ کے انتظامات۔ مگر کفار اور وہ بھی جاہل کفار، جو نبوت و رسالت اور وحی و الہام جنت دوزخ بلکہ پورے عالم آخرت کے منکر ہیں وہ اس کو کیا سمجھیں۔

شان نزول حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:۔ ان رھطا من الیھود سألوا رجلا من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن خزنۃ جھنم فقال اللہ و رسولہ اعلم فجاء فاخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنزل علیہ ساعتئذ علیھا تسعۃ عشر۔ (ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی) یہود کی ایک جماعت نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک صحابی سے پوچھا کہ دوزخ کے خازن کتنے ہیں۔ صحابی موصوف نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر انہوں نے آکر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسکی اطلاع دی

اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی: علیها تسعة عشر۔ اس پر انیس۱۹ مقرر ہیں" اور حضرت جابرؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح آئی ہے جو ترمذی اور ابن مردویہ نے روایت کی ہے۔

۱۹ کی تعداد پر ابوجہل کا استہزا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لما سمع ابو جهل علیها تسعة عشر قال لقریش ثکلتکم امهاتکم اسمع ابن ابی کبشة یخبرکم ان خزنة النار تسعة عشر وانتم الدهم افیعجز کل عشرة منکم ان یبطشوا برجل من خزنة جهنم۔ (ابن جریر) جب ابوجہل نے سنا کہ دوزخ پر (۱۹) خازن متعین ہیں تو قریش سے کہنے لگا تمھاری مائیں تم پر روتی ہیں (یہ کلمہ زجر ہے قریش کو جوش دلانے کے لئے کہہ رہا ہے کہ تمھاری ایسی زندگی سے موت بہتر ہے) ابو کبشہ کے بیٹے کا کہنا (اس سے حضور اکرم مراد ہیں) کہ دوزخ کے خازن صرف (۱۹) ہیں۔ اور تم تو ایک لشکر عظیم ہو۔ کیا تم میں کے دس دس مل کر ایک ایک خازن جہنم کو گرفتار نہیں کرسکتے"۔ دیگر روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ ابوجہل نے ایسا کہہ کر قریش کو ابھارا۔

پہلوان قریش کی لاف زنی یہ سن کر ابو الاشدین پہلوان قریش کہنے لگا:۔ انا اکفیکم منهم سبعة عشر، عشرة علی ظهری وسبعة علی بطنی وکفونی انتم

اثنین (بغوی، بیہقی) ان میں سے سترہ کے لئے میں اکیلا بس ہوں۔ دس کو اپنی پیٹھ پر ڈال لوں گا۔ اور سات کو پیٹ پر۔ اور تم سب مل کر دو کو روک لو۔" اور دوسری روایت میں ہے کہ اس نے یوں کہا:۔ خلوا بینی وبین خزنة جهنم انا اکفیکم مؤنتهم۔ (ابن مردویہ) دوزخ کے خازنین کے لئے مجھے اکیلے کو چھوڑ دو۔ تمھاری اس مہم کو سر کرنے کے لئے میں تن تنہا کافی ہوں۔" گویا ابوجہل نے اپنے کمال جہل سے دوزخ کے ان اعلیٰ عہدہ داروں اور افسروں کو انسان سمجھا اور اسی زعم کی بنا پر قریش کے پہلوان نے یہ لاف زنی کی۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا 74-31
فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ
يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ
ع ۱ ۱۵ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۧ اور جو رکھے ہیں ہم نے دوزخ پر داروغہ

وہ فرشتے ہی ہیں، اور جو ان کی گنتی رکھی ہے ہم نے وہ منکروں کو جانچنے ہی کے لئے "تاکہ یقین کر لیں وہ لوگ جن کو ملی ہے کتاب، اور بڑھے ایمان داروں کا ایمان، اور دھوکا نہ کھائیں جن کو ملی ہے کتاب، اور مسلمان، اور تاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دل میں روگ ہے اور منکر، کیا غرض تھی اللہ کو اس مثال سے، یوں بچلاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے جس کو چاہے، اور کوئی نہیں جانتا آپ کے پروردگار کے لشکر کو مگر وہ خود ہی، اور وہ تو سمجھانا ہے لوگوں کو"

زبانیہ ملائکہ ہیں

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ابوجہل اور کفار قریش کی اس خام خیالی کو کہ دوزخ کے نگراں عہدہ دار انسان ہیں، اس آیۂ کریمہ کے ذریعہ رد فرمادیا کہ زبانیہ (دوزخ کے عہدہ دار اور کارکن) انسان نہیں ہیں جن کا مقابلہ تم کر سکو، وہ تو سب کے سب فرشتے ہیں۔ رہی انکی

گنتی جو (۱۹) بتائی گئی جس کو تم معمولی اور حقیر سمجھ رہے ہو اور ان کے مقابلہ کے لئے لوگوں کو ابھار رہے ہو۔ کبھی تو ان میں سے ایک ایک کے مقابلہ کے لئے اپنے دس دس کو لا کھڑا کرنا چاہتے ہو اور کبھی تمہارا ایک ہی شخص تنہا ان سب کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی آمادگی ظاہر کر رہا ہے۔ اس میں کئی حکمتیں اور مصالح ہیں منجملہ ان کے ایک[۱] یہ ہے کہ یہ گنتی تمہارے امتحان اور جانچ کے لئے ہے کہ تم اس کا کوئی صحیح حل پیش کر سکتے ہو یا ہمیشہ کے مطابق اپنی اسی جاہلانہ بکواس میں لگے رہتے ہو۔ دوسری[۲] حکمت اس میں یہ ہے کہ جن کو پیشتر زمانے میں آسمانی کتاب (توریت، انجیل، زبور وغیرہ) دی گئی اور اس میں بھی یہی تعداد ان خازنین کی بتائی گئی تھی ان کو یقین ہو جائے کہ اس آخری کتاب (قرآن کریم) میں بھی وہی بتائی گئی ہے لہذا یہ کتاب بھی از ان قبیل ہے اور کتب سابقہ کی تصدیق کرنے والی، اور ان کی محافظ ہے۔ اور اسی مقصد کے مدنظر، جماعت یہود نے صحابۂ کرامؓ سے ان کی تعداد دریافت کی تھی۔ اور یہ جواب سن کر ان کو ساکت ہونا پڑا۔ تیسری[۳] حکمت اس میں یہ ہے کہ اب تک قرآن کریم جس قدر نازل ہوا تھا اور اس میں جن چیزوں کا بیان ہوا تھا اہل ایمان کا ایمان، ان ہی چیزوں کی حد تک محدود تھا۔ اب اس آیۂ کریمہ کے ذریعہ خازنین نار کی تعداد بھی تبلائی گئی تو ان کے ایمان میں اس کا بھی اضافہ ہو۔ چنانچہ اس کے مطابق معلومات میں اس تعداد کا اضافہ ہوا۔ چوتھی[۴] حکمت اس میں یہ ہے کہ کتب سابقہ میں یہ تعداد لکھی ہوئی تھی پھر ان کتابوں میں اُن

لوگوں نے تحریف کردی تھی جس سے اہل کتاب خوب واقف تھے۔ اگر قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہ کی جاتی تو اس مسئلہ کی حد تک اہل کتاب کو تردد اور شک ہوتا کہ جو تعداد ان کی کتابوں میں درج ہے آیا اصلی تعداد ہے یا تحریف کی ہوئی اور بنائی ہوئی گنتی ہے۔ جب قرآن کریم میں بھی اس کی صراحت فرمادی گئی تو اب کسی شک اور ریب کی گنجائش نہ رہی۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے بھی کسی قسم کا دھوکہ ہونے کا کوئی موقع نہ رہا۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ منافقین جن کے قلوب اندھے ہیں اور جن سے آئندہ مسلمانوں کو سابقہ رہیگا وہ اور منکرین کتاب دونوں گروہ کے لئے ہمیشہ یہ سوال دامنگیر رہے کہ دوزخ کے خازنین (۱۹) کیوں ہیں اس سے کم یا زیادہ کیوں نہیں؟ بس وہ اسی فکر میں گھلتے رہیں۔ فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضاً۔ ان کے دلوں میں روگ ہے، اللہ پاک نے بھی ان کے روگ میں اور اضافہ فرمادیا۔ چنانچہ اب تک یہ کہے جارہے ہیں: ماذا اراد اللہ بھذا مثلا۔ اس مثال سے اللہ کا کیا مقصد ہے؟۔

مومن و کافر کا فرق کفار و منافقین کو خدا و رسول کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان نہیں اسی وجہ سے وہ ہر ہر بات میں موشگافیاں کرتے رہتے ہیں یہ کیوں اور وہ کیوں؟ اللہ سبحانہ نے بھی یہی چاہا کہ وہ اس گورکھ دھندے میں پھنسے رہیں کبھی اس سے نکلنے نہ پائیں اہل ایمان کا حال اس سے بالکل جداگانہ ہے۔ مومن کو جہاں یہ معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ کا

یہ حکم ہے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے تو چون وچرا سے انکو کوئی غرض نہیں وہ بلاتوقف اور بغیر کسی پس وپیش کے آمنّا وصدّقنا کہتے ہیں۔
چھٹی حکمت اس میں یہ ہے کہ کفار ومنافقین چون وچرا کرتے ہوئے راہ حق سے بھٹکتے پھریں اور مخلص مومن کسی تردد کو اپنے دل میں جگہ دئے بغیر خدا اور رسول کی بتائی ہوئی راہ پر یقین کرکے صراط مستقیم پر گامزن ہیں اور سیدھے منزل مقصود پر جا پہنچیں۔ اور بھولے سے بھی ادھر اُدھر نہ دیکھیں کہ اس سے منزل کھوٹی ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہیں۔ ولا یلتفت منکم احد وامضوا حیث تؤمرون۔

۱۹ فرشتے عہدہ دار ہیں یہاں یہ بھی یاد رہے کہ جو تعداد اوپر بتائی گئی وہ افسروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کی ہے ورنہ ان اَنگنت دوزخیوں کی سزا دہی کے لئے جو عملہ مقرر ہے ان کی تعداد کون جان سکتا ہے؟ چنانچہ ارشاد الٰہی ہو رہا ہے: ــــ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ اللہ سبحانہ کی فوجوں کو اس کے سوا اور کوئی جانتا تک نہیں" کہ ان کی تعداد کیا ہے۔ نہ فرشتوں کی تعداد کوئی بتا سکتا ہے اور نہ صرف دوزخ پر کتنے فرشتے متعین ہیں ان کی گنتی کوئی بتا سکتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسے بیشمار لشکر ہیں چیونٹیوں کی ایک فوج ہے۔ پرواتوں کا ایک لشکر ہے۔ ایسی کتنی افواج اور کتنے لشکر ہیں کوئی کیا جانے؟ اور ہر لشکر اور فوج میں کتنے افراد ہیں ان کی گنتی

کون معلوم کرے۔ اگر کسی کی تعداد بتائی جائے بھی تو اس سے ہمارا کیا مفاد وابستہ ہے؟
اور اگر نہ بتائیں تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے؟ مومن کو اپنے فرض سے غرض ہے۔ باقی
دوسری غیر متعلق چیزیں سدِ راہ بننے کے سوا اور کچھ نہیں۔ بس ہمارا کام یہی ہے :۔
آمنّا وصدّقنا۔

ذکری للبشر کی تفسیر وَمَاهِیَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْبَشَرِ ۔ اور یہ آیات کریمہ تو
صرف انسان کو اس کے مقصد کی یاددہانی اور اس کے مطلوب کی یاد تازہ کرنے کیلئے ہی
اتاری گئی ہیں" اپنے مقصود اصلی سے ہٹ جانا گمراہی ہے۔ حضرت مقاتل فرماتے
ہیں :۔ ھذا جواب ابی جھل حین قال ما لمحمد اعوان الا تسعۃ عشر۔
اس آیہ کریمہ میں ابوجہل کو جواب دیا گیا ہے جبکہ اس نے کہا تھا کہ محمدؐ کی اعانت کرنے والے
صرف (۱۹) ہیں" حضرت عطاؒ آیۂ کریمہ وما یعلم جنود ربک الا ھو کی تفسیر میں
فرماتے ہیں :۔ یعنی الملائکۃ الذین خلقھم لتعذیب اھل النار لایعلم
عدتھم الا اللہ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ نے اہل دوزخ کو عذاب دینے کیلئے جن فرشتوں
کو پیدا کیا ہے ان کی گنتی اللہ کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں" (۱۹) تو صرف عہدہ دار ہیں

جنود اللہ کا بیان جنود اللہ کے اقسام اور ہر ایک قسم کے تحت افراد کتنے ہیں
یہ تو معلوم ہو چکا کہ اس کی تفصیلی تعداد اللہ سبحانہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ البتہ

اجمالی طور پر علمائے کرام کی تحقیقات حسب ذیل ہیں :-

ایک قول یہ ہے کہ تمام جنود اللہ میں ملائکۂ کرام کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔

یہ اس حدیث شریف پر مبنی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

اطّت السماء وحقّ لہا ان تئطّ مافیہا موضع قدم الا وفیہ ملک قائم اور اکع اوساجد۔ آسمان دب کر جھک پڑا اور اس کو جھک جانا ہی چاہیئے۔ اس میں ہر قدم پر ایک ایک فرشتہ ہے، کوئی کھڑا ہوا ہے، کوئی رکوع کرتا ہوا ہے اور کوئی سجدہ کرتا ہوا ہے،، پھر کام پر لگے ہوئے جو فرشتے ہیں وہ ان کے علاوہ ہی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملائکۂ کرام کی تعداد، دیگر مخلوقات سے بڑھی ہوئی ہے۔

دوسرا قول بعض احادیث شریفہ میں ہے :۔ انّ مخلوقات البرّ عشر مخلوقات البحرٔ والمجموع عشر مخلوقات الجوّ والمجموع عشر ملائکۃ السماء الدنیا والمجموع عشر ملائکۃ السماء الثانیۃ وھکذا الی السماء السابعۃ والمجموع عشر ملائکۃ الکرسی والمجموع عشر الملائکۃ الحافّین بالعرش والمجموع اقلّ قلیل بالنسبۃ الی مالا یعلمہ الا اللہ (روح المعانی) خشکی کے مخلوقات، سمندر کے مخلوقات کا دسواں حصہ ہیں۔ اور ان دونوں کا مجموعہ فضا کے مخلوقات کا دسواں حصہ ہے اور سب کا مجموعہ سماء دنیا کے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے۔ اور ان کا مجموعہ دوسرے آسمان کے

فرشتوں کا عُشر ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ سات آسمانوں تک ہے۔ پھر ان سب کا مجموعہ ملائکہ کرسی کا دسواں حصہ، پھر ان تماموں کا مجموعہ عرش اعظم کو گھیرے ہوئے فرشتوں کا دسواں حصہ ہے اور ان سبھوں کا مجموعہ جنود اللہ کے مقابلہ میں جن کا علم اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں۔ اقل قلیل یعنی کم سے کمتر ہے"۔

عدد (۱۹) کی توجیہ رہا یہ امر کہ زبانیہ کی تعداد (۱۹) کیوں ہے؟ اس باب میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ملی۔ مفسرین کرام نے مختلف توجیہات فرمائی ہیں۔ ازاں جملہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں جو توجیہ فرمائی ہے اس کو علمائے کرام نے پسند کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دوزخ غضب الٰہی کا مظہر ہے جیسا کہ جنت رحمت الٰہی کا مظہر ہے۔ اگر تجلی رحمت ہوتی ہے تو تمام مخلوقات کے روحانیین سامان رحمت کی فراہمی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور جو غضب کی تجلی ہو تو سب کے سب غضب کے اسباب فراہم کرنے لگتے ہیں۔ روحانیین کا تعلق امور ذیل سے ہے:—

عرش اعظم، کرسی، فلک ہفتم، ششم، پنجم، چہارم، سوم، دوم، اول، کرۂ نار کرۂ ہوا، کرۂ آب، کرۂ خاک، معدنیات، حیوانات، نباتات، طبیعت، قلب، عقل، یہ (۱۹) ہوئے۔

غضب الٰہی کے موقع پر یہ جملہ روحانیین جو اس عالم کے رؤسا ہیں اپنے بیشمار اصحاب ملائکہ کرام کے ساتھ

سامان غضب کی فراہمی میں لگ جاتے ہیں تو پورا دوزخ ’غضب الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے جس سے دوزخیوں کا چھوٹنا محال ہے۔ پھر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ہر شعبہ کی تفصیل ایک دلچسپ انداز میں فرمائی ہے جو قابل دید ہے یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ (۱۹) کے عدد سے انسان کے اعضاء و جوارح کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے جن سے کفر و معاصی سرزد ہوتے ہیں جن کی بنا پر سزا دی جاتی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں صراحت ہے کہ کن اعضاء و جوارح سے کیا کیا جرائم سرزد ہوتے ہیں اور ہر جرم کی کیا سزا مقرر ہے۔ یہاں اس کی تفصیل موجب طوالت ہوگی۔ وہ اعضاء و جوارح حسب ذیل ہیں:—

چہرہ، ابرو، کان، آنکھ، ناک، رخسار، ہونٹ، زبان، گردن، سر
دماغ، پیٹ، سینہ، دل، پیٹھ، فرج، دبر، ہاتھ، پاؤں یہ بھی (۱۹) ہوئے۔

جس طرح محابس اور جیل خانوں میں جرائم کی نوعیت کے اعتبار سے ایک ایک نوع کے مجرمین کے لئے علٰحدہ علٰحدہ سزائیں تجویز کی جاتی ہیں یا دواخانوں میں نوعیت مرض کے لحاظ سے جداگانہ دوائیں رکھی ہوتی ہیں اور ہر مرض کا طریقہ علاج علٰحدہ مقرر ہے۔ اور ان کے معالجین خصوصی الگ الگ ہیں۔ اسی طرح کفار و مجرمین کی سزائیں بھی جرم کی نوعیت کے مطابق جدا اور ان کو سزا دینے والے جدا اور اس کے نگران بھی جدا جدا سمجھ لینا چاہیے۔ حضرت

شاہ صاحبؒ نے بھی دوسرے طریقہ سے ایسا ایما فرمایا ہے۔

فقہائے کرام کا ارشاد فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ عموماً اعداد جو قرآن کریم یا احادیث شریفہ میں بیان فرمائے گئے ہیں ان کا حقیقی راز عقل انسانی دریافت نہیں کرسکتی مثلاً سات آسمان، یا ستۃ ایام میں کائنات کی تخلیق، سبع سیارہ، طبقات الارض، ہفتہ اور مہینہ کے ایام، سال کے بارہ مہینے، نصاب زکاۃ، مثلاً دوسو درم چاندی، یا بیس مثقال سونے پر پانچ درم یا نصف مثقال زکاۃ کی ادائی، کفارۂ قسم میں تین دن کے روزے یا دس محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ان کو لباس دیدینا، اور کفارۂ ظہار یا صوم میں متواتر دو مہینے تک روزہ رکھنا، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا، پانچ وقت کی نمازیں اور ہر نماز میں ان کی رکعتوں کی تعداد، رمضان کے روزے، زانیہ وزانی کو (۱۰۰) تازیانوں کی اور تہمت لگانے والوں کو (۸۰) تازیانوں کی سزا وغیرہ وغیرہ کہ یہ اعداد کیوں اور کس بنا پر ہیں؟ چونکہ عقل انسانی اس کا راز دریافت نہیں کرسکتی لہذا انسان اس کا مکلف بھی نہیں ہے۔ اور نہ فقیہ کو اس سے بحث ہے۔ جیسے آیات متشابہات، مومن کا کام صرف اسی حد تک ہے کہ بتلائے ہوئے عدد پر ایمان رکھے اور اس کے اسرار کو خدا اور رسول کے تفویض کرے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

متکلمین یعنی ماہرین علم کلام اور حکما و فلاسفۂ اسلام وغیرہم کے بھی اقوال ہیں۔

اور ہر گروہ نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے توجیہات کی ہیں مگر بقول فقہائے کرام ہم اس کے مکلف ہی نہیں تو اسی حد پر اکتفا کی جاتی ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۙ اِنَّهَا 74-32 74-33 74-34
لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۙ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۙ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ 74-35 74-36
اَوْ يَتَاَخَّرَ ۙ کچھ نہیں، قسم ہے چاند کی، اور رات کی جب پیٹھ پھیرے، اور صبح کی جب 74-37
روشن ہووے، وہ ایک ہے بڑی چیزوں میں کی، ڈرانے والی ہے لوگوں کو، جو کوئی
چاہے تم میں سے آگے بڑھے یا پیچھے رہے ؏

کلا والقمر کی تفسیر کفار کا یہ استہزاء کہ دوزخ پر متعین کئے ہوئے یہ انیس ۱۹ داروغہ ہم سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں کا کیا بگاڑ سکیں گے۔ یا ابوجہل لعین اور اس کے ساتھیوں کا یہ زعم کہ ایک ایک داروغہ کو ہمارے دس دس آدمی گرفتار کرلیں گے یا اس کے ساتھی پہلوان کی یہ بکواس کہ وہ اکیلا سترہ کا یا سب کا مقابلہ کرلے گا، ان میں سے ایک بات بھی لائق التفات نہیں۔ یہ جاہلیت کی تاریکی میں پھنسے ہوئے گمراہوں کی باتیں ہیں جو حقیقت سے ناآشنا اور علم صحیح سے کوسوں دور رہنے کی بنا پر ان کی زبان پر جاری ہو رہی ہیں۔ چاند کی قسم ہے جو رات کی تاریکی کو حکم خدا سے اپنے مقررہ بڑھاؤ کے اعتبار سے یوماً فیوماً دور کرتا اور اپنے مقررہ گھٹاؤ سے ان کو

غور و فکر کا موقع دیتا رہتا ہے۔ ایک حال پر چاند کو قیام نہیں۔ ہمیشہ اس کا بڑھاؤ گھٹاؤ مقررہ حد پر جاری ہے۔ اسی طرح کفار کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اور کیسے ہی مال دار اور قوی ہوں، اللہ سبحانہ کی قدرت کاملہ کے آگے ان کا کوئی وزن نہیں۔ وقت آنے پر ان کی ایک نہ چلیگی۔ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ جائیں گے۔

واللیل اذا دبر کی تفسیر نیز قسم ہے رات کی جبکہ وہ اپنی پوری تاریکی دکھانے کے بعد پیٹھ پھیر کر چلی جائے۔ رات کا یہ عمل بھی روزانہ جاری ہے کہ وقت مقرر پر رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ آتی اور مقررہ ساعات ختم ہونے پر وہ چلی جاتی ہے جس طرح کوئی مہمان رات آتا اور صبح چلا جاتا ہے۔ اس میں بھی یہ بتانا منظور ہے کہ کفر و معصیت کی تاریکی یا جہل و ضلالت کی ظلمت کو قیام نہیں۔ وقت آرہا ہے کہ یہ ساری ظلمت کافور ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی کفر اور اس کے یہ بلند بانگ دعوے ختم ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد مجاہد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباسؓ سے آیۂ کریمہ واللیل اذا دبر کی تفسیر پوچھی کہ رات پیٹھ پھیر کر کب جاتی ہے؟ حضرت ابن عباسؓ نے اس وقت تو کوئی جواب نہ دیا۔ حتی اذا کان من آخر اللیل وسمع الاذان الاول نادانی یا مجاھد ھذا احین دبر اللیل۔ (مسند عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) تا آنکہ رات کی آخری ساعت آگئی اور پہلی اذان سنی۔ (حرمین شریفین میں

دستور ہے کہ فجر کی دو اذانیں ہوتی ہیں۔ پہلی صبح صادق سے کچھ پیشتر۔ اس کو اذان تہجد یا اذان فجر اول کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی حرم شریف نبوی کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور لوگ جو پیشتر سے دروازوں پر منتظر رہتے ہیں مسجد شریف نبوی میں حاضر ہوکر اذکار و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ پھر صبح صادق نمودار ہوتے ہی دوسری اذان کہی جاتی ہے اس پر لوگ سنتوں سے فارغ ہوکر فریضۂ فجر باجماعت ادا کرتے ہیں۔ جب حضرت ابن عباسؓ نے اذان اول سنی) تو مجھے آواز دی کہ مجاہد! رات کے پیٹھ پلٹا کر چلی جانے کا وقت یہی ہے"۔

والصبح اذا اسفر کی تفسیر | نیز قسم ہے صبح سویرے کی جب وہ روشن ہو جائے"۔ اور لوگ نماز فجر سے فراغت پاکر اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا عالم دنیا اور عالم آخرت کا یہی حال ہے کہ عالم دنیا کی آفرینش اور اس کا نشو و نما نیز اس کے تغیرات و فنا کا حال، چاند کے بڑھتے گھٹتے بدر اور ہلال بنتے رہنے کے مشابہ ہے۔ دنیا داروں کی غفلت اور جہالت، رات کی تاریکی کے مانند ہے کہ وہ کتنا ہی اپنا زور دکھائے مگر اس کو پائداری نصیب نہیں۔ اس کو پیٹھ پلٹنا ہی پڑے گا۔ ساری تاریکیاں اور غفلتیں چھٹ جائینگی اور روز روشن نمودار ہوگا۔ اسی طرح روز قیامت کا ہوگا تو اس دن ہر چھپی ہوئی چیز ظاہر ہوکر رہیگی۔ ع روز محشر ہر نہاں پیدا شود۔ اس وقت

کفار کی آنکھیں کھلیں گی کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ فرمایا تھا وہی حق ہے۔ لیکن آج یہ بیداری ان کے کچھ کام نہ آئیگی۔

کفر کے اقسام قیامت کا دن کیا ہے؟ ہولناک واقعات اور امورِ عظام کے ظہور کا دن ہو گا۔ از انجملہ ایک سقر یعنی دوزخ بھی ہے **وانّہا لاحدی الاکبر** وہ دوزخ بھی امورِ عظیمہ میں سے ایک بڑی ہی مصیبت گاہ ہے جو اشد کافروں کیلئے ہمیشہ ہمیشہ سزایاب ہونے کی جگہ بتائی گئی ہے۔ جس میں سخت ترین عذاب مقرر کئے گئے ہیں۔ گناہوں کے جیسے اقسام ہیں۔ کفر کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ایک کفر شک جو اس شک میں پڑے ہوئے تھے کہ قرآن کریم درحقیقت اللہ کی کتاب ہے اور حضور اکرمؐ فی الواقع نبی مرسل ہیں یا کیا؟ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔ **بل ھم فی شکّ من ذکری**۔ اور کچھ نہیں، یہ لوگ ہماری کتاب سے شک میں پڑے ہوئے ہیں" دوسرا کفر جہل، جو حق کو ناحق اور ناحق کو حق سمجھتے تھے۔ ان کی نسبت قرآن کریم میں فرمایا گیا:۔ **اکثرھم لا یعقلون، اکثر الناس لا یعلمون۔ بل ھم قوم یجھلون**، ان میں کے اکثر عقل ہی نہیں رکھتے، اکثر لوگ نہیں جانتے، بلکہ یہ قوم ہی جاہل ہے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں جو لوگ مکہ میں تھے عموماً وہ ان ہی دو قسموں میں بٹے ہوئے تھے کسی کو شک اور تردد تھا

اور کوئی جہل و نادانی میں مبتلا تھا۔ چنانچہ جب ان کا شک رفع ہوگیا اور حضورانور کی صداقت کا ان کو علم ہوگیا تو وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ تیسرا کفر جحود۔ یہود و نصاریٰ جو اہل کتاب تھے اور ان کو اپنی کتابوں سے اچھی طرح معلوم تھا کہ نبی آخرالزمان علیہ صلوات الرحمان، مکہ مکرمہ میں ظہور پذیر ہوں گے۔ جن کی یہ یہ نشانیاں ہونگی۔ ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے بغیر اس کے نجات نہیں۔ اتنا سب کچھ دل سے جانتے بوجھتے ہوئے دیدہ و دانستہ، زبان سے اقرار نہیں کرتے تھے اور حق کو چھپاتے تھے۔ ان کی نسبت ارشاد الٰہی ہوا:۔ الذین آتینا ھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم و ان فریقا منھم لیکتمون الحق و ھم یعلمون۔ جن کو ہم نے کتاب دی وہ حضور انور کو پہچانتے ہوئے ہیں جیسا وہ اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں۔ اور ان میں کا ایک گروہ یقیناً حق کو چھپاتا ہے درحالیکہ وہ سب جانتے ہیں۔" نیز فرعون اور فرعونیوں کے حق میں فرمایا:۔ وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلما و علوا۔ ان لوگوں نے (ہماری آیات کا) انکار کیا درحالیکہ ان کے نفوس ان کا یقین کر چکے تھے اور یہ انکار صرف ہٹ دھرمی اور شان بتانے کی خاطر تھا۔" چوتھا کفر عناد، کہ حق کی شناخت اچھی طرح ہو جانے کے بعد بھی اس کے رد و ابطال کے درپے ہیں۔ اور دلائل حق کے مقابلہ میں اپنے

رکیک شبہات اور توہمات واہیات کو پیش کئے جائیں۔ ولید بن مغیرہ اور ابو جہل وغیرہ کا کفر اسی نوعیت کا تھا جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے ولید پلید کی نسبت فرمایا انّہ کان لآیاتنا عنیدا۔ یقیناً وہ ہماری آیات کے ساتھ (بے وجہ) سرکشی کر رہا ہے" اسی عناد کے باعث ایسے لوگ اخیر تک کفر ہی پر اڑے رہے۔ اور مرتے دم تک ان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ خسر الدنیا والآخرۃ۔ ایسے ہی معاندین کے لئے سقر کا عذاب ہے۔ اور اسی کی نسبت فرمایا گیا ہے :۔ وانّہا لاحدی الکبر۔ اور یہ سقر قیامت کی دوسری ہولناک مصیبتوں میں سے ایک بہت ہی بڑی مصیبت ہے"

نذیرا للبشر کی تفسیر

نَذِیرًا لِّلْبَشَرِ ۔ جو نوع بشر کو ڈر تبانے کیلئے (پیش از پیش) سنادی جارہی ہے" وقت آنے سے پیشتر ایسے مہمات سے آگاہ کر دینا یہ بھی بڑی عنایت اور مہربانی ہے خدائے رحمان و رحیم کی کہ اس کے بعد مجرم کے لئے کوئی حجت باقی نہیں رہتی۔ اور نہ کسی قسم کی عذر تراشی کا موقع باقی رہتا ہے۔ بعض مفسرین کرام نے نذیرا للبشر کو قم فانذر کا مفعول لہٗ قرار دیا ہے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے :۔ یا یّہا المدّثر قم نذیرا للبشر فانذر۔ اے لحاف میں لپٹنے والے! تمام نوع بشر کو ڈر سنانے کے لئے اٹھئے اور ان سب کو

ڈرسنائیے" اس صورت میں بھی معنی درست ہو جاتے ہیں مگر فعل اور مفعول لہ میں
فاصلہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم نے یہ معنی اختیار نہیں کئے۔ واللہ اعلم۔

یتقدم و یتاخر کی تفسیر لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ۔

یعنی بنی نوع بشر کو آگاہ کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کرنا تھا کیا گیا۔ اب اسکے بعد
سننے والے کے اختیار اور پسند کی بات ہے کہ وہ نور ایمان حاصل کر کے سعادت
اور جنت کی طرف آگے بڑھے یا کفر و معصیت کی تاریکی اور دلدل میں پھنسکر
پیچھے رہ جائے"۔ یہ آیۂ کریمہ ٹھیک اس آیۂ شریفہ کے ہم مضمون ہے:۔ فمن شآء
فلیؤمن ومن شآء فلیکفر۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر
اختیار کرے"۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ من شآء اتبع طاعة اللّٰہ
ومن شآء تاخر عنها۔ (ابن جریر) جو چاہے اللہ سبحانہ کی طاعت کی راہ
اختیار کرے اور جو چاہے اس سے پیچھے رہ جائے"۔ حضرت قتادہؓ سے بھی اسیطرح
مروی ہے (عبد بن حمید) حضرت حذیفہؓ نے فرمایا:۔ ما من صباح ولا مسآء
الا و مناد ینادی ایها الناس الرحیل الرحیل وتصدیق ذلك فی
کتاب اللّٰہ انها لاحدی الکبر الی یتاخر۔ (ابن ابی الدنیا) ہر صبح و شام کو
منادی فرشتہ ندا کرتا رہتا ہے کہ لوگو! چل کوچ کے لئے تیار رہو۔ اور بڑھے جاؤ

اس کی سند کتاب اللہ میں موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے یہی آیات احدی الکبر سے
یتاخر تک پڑھ کر سنا دیں۔"

74-38
74-39
كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ۙ إِلَّآ أَصْحَٰبَ ٱلْيَمِينِ ۙ
74-40
74-41
74-42
فِى جَنَّٰتٍ يَتَسَآءَلُونَ ۙ عَنِ ٱلْمُجْرِمِينَ ۙ مَا سَلَكَكُمْ فِى سَقَرَ

ہر ایک جی اپنے کئے ہوئے کاموں میں پھنسا ہوا ہے مگر داہنی طرف والے باغوں میں ہیں مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں؟"

رھینۃ کی تفسیر آیت سابقہ میں ہر شخص کو اختیار دیا گیا تھا کہ جو چاہے نیکی کی راہ اختیار کر کے جنت کی طرف آگے بڑھتا چلا جائے یا بری راہ لے کر پیچھے رہ جائے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ جو قویٰ اور صلاحیتیں دی گئی ہیں وہ امانات الٰہیہ ہیں ان کا حساب لیا جائے گا اگر ان کو خالق کائنات کی مرضی کے خلاف استعمال کیا گیا تو اس کی پابجائی کرائی جائے گی۔ جس طرح کوئی کسی سے قرض لیتا ہے تو اس کی پابجائی کیلئے کوئی چیز قرض کے بدلے میں رہن لی جاتی ہے تاکہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں اس رہن سے قرضے کی پابجائی کی جائے۔ اسی طرح ہر مکلف کو جو قویٰ اور صلاحیتیں دی گئی ہیں وہ اس کی ملک نہیں بلکہ مالک الملک کی ملکیت ہے اور اس کی ذمہ داری مکلف کی ذات پر ہے۔ مکلف کی ذات رہن ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری سے

سبکدوش نہیں ہو سکتا تا آنکہ لیا ہوا قرض یا حاصل کی ہوئی امانت مالک الملک کو صحیح و سالم نہ پہنچادی جائے۔ اگر اس امانت کو ضائع کر دیا جائے یا اس میں کوئی نقص رہ جائے تو اس کی ذات سے پا بجائی کرائی جائیگی۔ یہ حکم ہر انسان اور جن سے متعلق ہے۔ کلّ نفس بما کسبت رھینة کی یہ تفسیر ہوئی۔

اصحاب الیمین کی تفسیر اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ۔ مگر داہنی طرف والے" وہ اس حکم سے مستثنےٰ ہوں گے۔ یہ اصحاب الیمین کون ہیں؟ اس باب میں اقوال ہیں:۔

۱۔ مقاتلؒ جو ائمہ تفسیر سے ہیں فرماتے ہیں:۔ ھم اھل الجنّة الذین کانوا علی یمین آدم یوم المیثاق قال لھم اللہ ھٰؤلآء الی الجنة ولا ابالی۔ اصحاب الیمین (داہنے ہاتھ کی طرف والے) جنتی لوگ ہیں جو روز میثاق میں حضرت آدم علیہ السلام کی داہنی جانب تھے جن کی شان میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ یہ سب جنت کی راہ لینے والے ہیں۔ (ہر چند کہ ان کی تعداد از آدم تا ایں دم بہت کثیر ہے لیکن ان سب کو داخل جنت کرنے میں) مجھے کچھ پرواہ نہیں"

۲۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ الذین یعطون کتبھم بایمانھم۔ اصحاب الیمین وہ لوگ ہیں جن کے نامہ ہائے اعمال (قیامت کے دن) ان کے داہنے ہاتھوں میں دیے جائیں گے"۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعب احبار سے فرمائش کی کہ آخرت کی

حدیث سناؤ تو انھوں نے بیان کیا:۔ یا امیر المؤمنین اذا کان یوم القیامۃ وضع اللوح المحفوظ فلم یبق احد من الخلائق الا ھو ینظر الی عملہ ثم یؤتیٰ بالصحف التی فیھا اعمال العباد فتنشر من حول العرش ثم یدعی المؤمن فیعطی کتابہ بیمینہ فینظر فیہ۔ امیر المؤمنین! جس دن قیامت ہوگی تو لوح محفوظ لوگوں کے سامنے رکھدی جائیگی۔ پھر مخلوقات میں سے ہر کوئی اس میں اپنا عمل دیکھ لیگا۔ پھر صحیفے لائے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال لکھے ہوں گے۔ ان کو عرش اعظم کے اطراف رکھ کر کھولا جائیگا۔ پھر ایک ایک مومن کو بلا کر اس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ جس کو وہ دیکھتا جائے گا۔"

۳۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ ھم المؤمنون المخلصون۔ اصحاب الیمین سے یہاں مراد مومنین مخلصین ہیں۔" یعنی مومنین کاملین (اولیائے کرام اور علمائے ربانیین) جن کے کارنامے روشن ہیں جو بلا حساب وکتاب جنت میں داخل ہونگے۔ قدس اللہ اسرارہم وافاض علینا من فیوضہم وبرکاتہم۔

۴۔ حضرت قاسمؒ فرماتے ہیں:۔ کل نفس ماخوذۃ بکسبھا من خیر او شر الا من اعتمد علی الفضل فان کل من اعتمد علی الکسب رھین ومن اعتمد علی الفضل فھو غیر ماخوذ۔ ہر کوئی اپنے کمائے ہوئے کاموں میں گرفتار رہیگا، کمائی اچھی ہو یا بری

مگر جس کا اعتماد فضل پر ہو وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔ کیونکہ جس کا اعتماد اپنی کمائی پر ہوگا وہ (اس کے محاسبہ میں پھنسا رہیگا۔ نیک کام کیا ہے تو اس کا اجر و ثواب حساب کرکے لینے کے لئے۔ اور اگر برا کام کیا ہے تو اس کی جواب دہی کے لئے۔) اور جس کا اعتماد فضل پر ہوگا وہ گرفتار ہی نہ ہوگا۔"

۵۔ حضرت مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:۔

انّھم اطفال المسلمین لم یکسبوا فیرتھنوا بکسبھم۔ اصحاب الیمین' مسلمانوں کے بچے ہیں (جن کا لڑکپن ہی میں انتقال ہوا) ان کو عمل کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تو عمل کے سلسلہ میں ظاہر ہے کہ وہ کیوں ماخوذ ہوں گے؟

فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ بطور تمثیل ہے آیۂ کریمہ کے مفہوم کو قریب الی الفہم کرنے کے لئے اطفال مسلمین کی مثال بیان فرمائی گئی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اصحاب الیمین کا انحصار اطفال مسلمین میں نہیں ہے۔

فی جنّٰت کی تفسیر | فِیْ جَنّٰتٍ۔ اصحاب الیمین باغوں میں ہوں گے۔" یہاں جنّات کو نکرہ لانے سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ان میں جنتیوں کیلئے جو تیاری کی گئی ہے اور جو جو نعمتیں مہیا ہیں اور خود وہ باغات کیسے دلکش خوش وضع آرام دہ اور سہانے ہیں اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ کسی تقریر یا تحریر کے ذریعہ

اس کی تفصیلات بتائی جاسکتی ہیں۔ اس کا تعلق تو کچھ دیکھنے ہی سے ہے۔

یتساءلون کی تفسیر یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ

مل کر پوچھتے ہیں گنہگاروں کا حال، تم کاہے سے جا پڑے دوزخ میں؟ یہ سوال و استفسار بظاہر اس بنا پر ہے کہ دنیا میں مومن اور کافر ایک ساتھ رہتے تھے۔ اور سب کی بود و باش زمین پر تھی۔ وقت آخر آن پہنچا تو دونوں فریق زیر زمین دفن کئے گئے قیامت میں سب اپنی قبروں سے ایک ساتھ اٹھے۔ پھر حساب، میزان وغیرہ کے مراحل درپیش ہوئے تو وہاں بھی ساتھ ساتھ تھے۔ صدور فیصلہ کے بعد مومنین جنت میں بھیج دئے گئے اور کفار دوزخ میں جھونکے گئے۔ تو اس دیرینہ معیت اور ساتھ رہنے کا تقاضا ہے کہ ہر ایک فریق، دوسرے کا حال دریافت کرے۔ کیونکہ یہ گروہ عرصہ سے نظر نہیں آرہا ہے۔

مجرمین کی خبر گیری منجانب اہل جنت اس بنا پر ابتداءً مومنین آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے کہ فلاں فلاں جو ہمارے ساتھ رہتے تھے وہ کیا ہوئے، کہاں گئے۔ ظاہر ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کو کیا جواب دے سکیگا۔ اس لئے وہ سب لاعلمی ظاہر کریں گے۔ پھر وہ فرشتوں سے دریافت کریں گے۔ یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں کو دوزخ میں لیجانے کا فیصلہ چونکہ اہل ایمان سن چکے تھے تو

قدیم مصاحبت کی بنا پر کبھی ان کی یاد آجائے اور دریافت حال کرنے کا شوق پیدا ہو۔ اور اللہ سبحانہ ان کے شوق کی تکمیل فرمائے۔ چنانچہ ایک روایت یوں ہے :—

ان اللہ یطلع اھل الجنۃ وھم فی الجنۃ حتی یروا اھل النار وھم فی النار فیسألونھم۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ اہل جنت کو جنت ہی میں رکھ کر اور دوزخ والوں کو دوزخ ہی میں پڑے رکھ کر دوزخیوں کے احوال پر اہل جنت کو مطلع کرنے کا انتظام فرمادیگا اور وہ دوزخیوں سے ان کا حال دریافت کریں گے" جیساکہ دنیا میں بھی ایک مقام کے لوگ دوسرے دور دراز مقامات پر رہنے والوں کا حال خط، تار، ٹیلیفون لاسلکی وغیرہ ذرائع سے دریافت کرتے ہیں۔ فی زمانا ٹیلی ویزن کی ایجاد نے تو مزید سہولت پیدا کردی ہے کہ اس میں متکلم اور مخاطب کی تصاویر تک ایک دوسرے کے سامنے آجاتی ہیں۔ یہ تو ٹیلیفون، لاسلکی، ٹیلی ویزن کے موجدین کی ایجادات ہیں ؏۔ اللہ سبحانہ جو

؏۔ فی زمانا جس قدر ایجادات ہورہی ہیں انکی حقیقت یہ ہے کہ ان کے اجزائے ترکیبی اللہ سبحانہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ موجدین صرف ان کو جوڑتے ہیں۔ جوڑنے کا طریقہ بھی اللہ پاک نے ان کو سمجھا دیا۔ کیوں کہ دل، دماغ، حواس خمسہ ظاہری اور حواس خمسہ باطنی تجربہ۔ مشاہدہ یہ بھی اللہ پاک کے بتائے اور پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اب اگر کسی انسان نے ان قویٰ و استعدادات و ملکات کو کام میں لاکر کوئی نئی ایجاد کی تو وہ بھی اللہ سبحانہ کی رہنمائی ہوئی۔ ان کی صرف محنت و توجہ ہے وہ بھی منجانب اللہ۔ ارشاد ہے :—

واللہ خلقکم وما تعملون۔ اور اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور جو اعمال تم کرتے ہو وہ بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں"

تمام موجدین کا خالق حقیقی ہے اس کا انتظام و اہتمام اس سے بھی زیادہ موثر و کامیاب ہے کہ جنت میں بیٹھکر دوزخیوں کا حال بالمشافہ، بغیر کسی آلہ اور ذریعے کی وساطت کے راست دریافت کرلو۔ جیساکہ روایت بالا سے معلوم ہوا۔ لہذا جنتی لوگ دوزخیوں سے پوچھیں گے کہ تم یہاں کیوں آئے۔ آنے کا سبب گو پیشتر سے معلوم ہے مگر یہاں ان کی زبان سے اقرار کراتا ہے اس سے اہل جنت کے لطف میں اور اہل دوزخ کے رنج میں اور اضافہ ہوگا۔ دوزخیوں کیلئے انکار یا کسی تاویل کی گنجائش تو نہیں رہیگی ان کو صاف صاف جواب دینا اور اپنے قصور کا اعتراف کرنا ہوگا۔ چنانچہ وہ یوں جواب دیں گے:۔

قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۙ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۙ 74-43 74-44
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ۙ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۙ حَتَّىٰ 74-45 74-46
أَتَانَا الْيَقِينُ ۝ وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھنے والوں میں اور نہ ہم کھانا کھلاتے 74-47
تھے محتاج کو، اور ہم گھستے تھے بحث میں گھسنے والوں کے ساتھ، اور ہم جھٹلاتے تھے
انصاف کے دن کو، یہاں تک کہ آن پہنچی ہم پر وہ یقینی بات ۔

کفار کا حسرت بھرا جواب کفار کہیں گے۔ بھائی! کیا پوچھتے ہو کہ ہم یہاں کیوں آئے اور کس بنا پر لائے گئے؟ ایک دو سبب تھوڑے ہیں۔ یہاں آنے کے بے شمار اسباب ہیں۔ کہاں تک ان کو گن بتائیں۔ مختصراً یہ سن لیجئے:۔

۱۔ لَمۡ نَكُ مِنَ الۡمُصَلِّيۡنَ ۔ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ ہمارا شمار تک نماز پڑھنے والوں میں نہ تھا۔ نماز نہ پڑھنا فسق ہے اور جو شخص مسلمان ہے مگر نماز نہیں پڑھتا وہ شرعاً فاسق ہے۔ اس کا شمار نماز پڑھنے والوں میں ہے مگر غفلت اور کم بختی اس پر سوار ہے جس کے باعث وہ ادائے فرض کی جانب متوجہ نہیں ہے ایسا شخص سزا کا مستحق ہے۔ مگر دائمی سزا نہیں بلکہ بقدر گناہ۔ دوسرا وہ ہے جو نماز ہی کا منکر ہے ایسا شخص شرع شریف کی اصطلاح میں کافر ہے۔ (العیاذ باللہ) یہ دائمی سزا کا متوجب ہے۔ اور یہاں ایسے ہی لوگوں کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کا شمار نماز پڑھنے والوں میں نہ تھا۔ چہ جائیکہ وہ نماز پڑھتے۔ نماز عبادت بدنی ہے اور یہ اللہ سبحانہ کا حق ہے، جو حق اللہ کی ادائی کا منکر ہو تو اس کی نجات کیونکر ہو۔ یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سب سے پہلے نماز ہی کا سوال ہوگا:۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود　　اولیں پرسش نماز بود

اگر پہلی منزل سہولت سے طے ہوئی تو دوسرے منازل بھی بہ سہولت طے ہونے کی امید کیجا سکتی ہے مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ پہلی منزل ہی کھوٹی رہ جائے۔ واللہ الموفق۔

۲۔ وَلَمۡ نَكُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡكِيۡنَ ۔ اور نہ ہم کھانا کھلاتے تھے مسکین کو۔"

یعنی نماز پڑھنے والے تو اپنے مال کی زکاۃ بھی دیتے ہیں مگر ہمارا حال یہ تھا کہ زکاۃ دینا تو رہا درکنار مسکین و محتاج کو کھانا تک نہیں کھلاتے تھے۔ نہ نماز پڑھکر اللہ سبحانہ کا حق ادا کرتے تھے اور نہ محتاج کو کھلا کر لوگوں کا حق ادا کرتے تھے۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس دونوں کے منکر بنے ہوئے تھے بلکہ خود سے کھلانا نہ ہوسکا تو کم از کم اوروں کو توجہ دلانا تو ممکن تھا مگر انھوں نے یہ بھی نہ کیا۔ اور اگر کسی نے ان کو توجہ دلائی تو کہدیتے۔ انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ۔ کیا ہم اس کو کھانا کھلائیں جس کو اللہ کھلانا چاہتا تو وہ خود کھلا سکتا تھا۔ مطلب یہ کہ مسکین کو کھلانا، اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے اگر اس کو منظور ہوتا تو جس طرح ہم کو فارغ البال بنایا ہے ایسا ہی اسکو بھی بناتا۔

۳۔ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ۔ اور ہم مخالفانہ مباحث میں گھسے رہتے تھے ان میں گھسے رہنے والوں کے ساتھ" یعنی خدا و رسول کی باتیں، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے اصحاب کرام سے سُن کر ان کا اتباع کرنیکی بجائے مخالفانہ گفتگو کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایسی مخالفانہ باتیں کیا کرتے، ہم ان کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ ہمارا غور و خوض بس ایسے ہی باطل خیالات میں رہا کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ اکثر الناس ذنوبا یوم القیامة اکثرھم خوضا فی معصیة اللہ قیامت کے دن، سب لوگوں سے گناہوں میں بڑا ہوا وہ ہوگا جو اللہ سبحانہ کی نافرمانی کی

باتیں زیادہ سوچیار ہتا تھا۔" روح المعانی میں ہے :۔ ونقل الحروب التی جرت بین الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لغیر غرض شرعی بل لمجرد ان یتوصل بہ الی طعن وتنقیص ۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان جو محاربات اور مشاجرات ہوئے ان کو بیان کرتے رہنا بھی اس میں داخل ہے جو کسی مقصد شرعی کے لئے نہ ہو بلکہ ان واقعات کو محض ان بزرگوں پر طعن و تشنیع اور ان کی کسر شان کا ذریعہ بنایا جائے ۔"

۴ ۔ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۔ اور ہم جھٹلاتے تھے انصاف کے دن کو، یہاں تک کہ آن پہنچی ہم پر وہ یقینی بات ۔"
قیامت یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنا میدان حشر میں سب کا جمع ہونا سوال و جواب اعمال اور ان کا حساب کیا جانا، اعمال کا وزن کیا جانا، اور انکی جزا و سزا کا تجویز ہونا، ان تمام امور کی ہم تکذیب کرتے اور جھٹلاتے تھے تا آنکہ وہ یقینی بات ہم پر آ پہنچی ۔ یعنی موت جو قیامت صغریٰ ہے یا ساعت قیامت جو یقیناً آنی تھی مگر ہم اس کو جھٹلاتے تھے ۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ؕ پھر کام نہ آئے گی ان کے سفارش سفارش کرنے والوں کی ۔" 74-48

کفار کے لئے شفاعت نہ ہوگی مجاہدؒ فرماتے ہیں :۔ لا تنالھم شفاعة من یشفع۔ (عبد بن حمیدؒ ابن المنذرؒ) مذکورۂ بالا چاروں خرابیاں جن میں موجود ہوں یعنی کفار ان کو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت نصیب نہ ہوگی" مطلب یہ کہ ان کفار کی سفارش کرنے والا ہی کوئی نہ ہوگا اور اگر بالفرض کسی نے سفارش کی بھی تو وہ قبول و منظور نہ ہوگی۔ اس لئے کہ سفارش اول تو اذن الٰہی پر موقوف ہے۔ لا یشفع عندہ الّا باذنہ۔ کوئی سفارش کرنے والا اس کی اجازت کے بغیر سفارش نہ کر سکیگا"۔ پھر جس کی نسبت سفارش کی جاتی ہو وہ اس کا اہل بھی ہونا چاہیئے۔ کافر نے اپنے کفر کی شامت سے اسکی اہلیت ہی کھو دی۔ پھر اسکی نسبت سفارش کیونکر قبول ہوگی؟

معتزلہ و خوارج کا انکار شفاعت بعض سست عقیدہ معتزلہ و خوارج وغیرہ اس آیۂ کریمہ یا اور بعض اس کے ہم مضمون آیات کے ظاہر معنی کے پیش نظر شفاعت ہی کے منکر ہو گئے ہیں۔ حالانکہ سیاق سے بالکل ظاہر ہے کہ یہاں اوپر سے کفار کا بیان آرہا ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ اور كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کفار مراد ہیں۔ نماز نہ پڑھنے والوں میں شمار کفار کا ہے نہ کہ اہل ایمان کا اور یوم الدین کی تکذیب کفار کیا کرتے ہیں نہ کہ مومنین اور فما تنفعھم میں ھُمْ کی ضمیر مکذبین کی طرف ہی رجوع ہو رہی ہے کیونکہ اوپر سے اسی گروہ کا بیان

آرہا ہے۔ اہل ایمان کا بیان نہ ان آیات کریمہ میں آیا اور نہ ھُم کی ضمیر انکی طرف
رجوع ہوسکتی ہے یا اینہمہ اس آیۂ کریمہ کو جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے اہل ایمان کیلئے
عام قرار دینا دیدہ و دانستہ گمراہی میں پڑنا اور دوسروں کو گمراہی میں ڈالنا ہے۔ نعوذ
باللہ من ذلك۔ شفاعت کے باب میں قرآن کریم کے متعدد آیات ایسے ہیں جن سے
شفاعت ثابت ہے۔ لا یشفع عندہ الا باذنہ میں الا کا استثناء خود بتلاتا ہے کہ اذن ہونے
کے بعد شفاعت ہوگی۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب اذن الٰہی سے شفاعت ہوگی تو
قبول بھی ہوگی۔ ورنہ استثناء اور اذن کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اذن کے بعد شفاعت ہونا
کئی آیات میں مذکور و مصرح ہے۔ ولسوف یعطیك ربّك فترضیٰ۔ اور عنقریب
آپ کو آپ کا پروردگار اتنا دیگا کہ آپ خوشنود ہوجائیں گے۔ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی
تو آپ نے فرمایا:۔ لا یرضی محمد واحد من امته فی النار۔ (خطیب) محمد کبھی خوشنود
نہ ہوگا درحالیکہ اس کا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو۔ روحی فداہ۔

آیت شفاعت کے متعلق مولائے کائنات کا ارشاد

حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا:۔ انکم تقولون یا معشر
اھل العراق ان ارجی آیة فی کتاب اللہ یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ
انفسھم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ..... فکلنا

اھل البیت نقول ان ارجی آیۃ فی کتاب اللہ ولسوف یعطیک ربک فترضی وھی الشفاعۃ (ابن المنذر، ابن مردویہ، ابونعیم)۔ اے گروہ عراقیین! تم کہتے ہو کہ قرآن کریم میں وہ آیت جو سب سے زیادہ امیدوار رحمت بناتی ہے وہ آیہ لاتقنطوا ہے! اور ہم سب اہل بیتؑ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیۂ کریمہ ولسوف یعطیک ربک فترضی سب سے زیادہ امیدوار رحمت بنا رہی ہے۔ اور یہ شفاعت کی آیت ہے۔"

ثبوت شفاعت عقیدۂ اہل سنت

شفاعت کے باب میں جو احادیث شریفہ وارد ہیں وہ اتنی کثرت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں جو کہ تواتر معنوی کی حد تک پہنچتی ہیں اسی وجہ سے ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے:۔ الشفاعۃ لاھل الکبائر حق "کبائر یعنی بڑے بڑے گناہ کئے ہوئے لوگوں کے لئے بھی حق ہے۔" گو ان کا انتقال اس دنیا سے بغیر توبہ کئے ہوا ہو۔ ان تمام احادیث شریفہ کا بیان یہاں موجب طوالت ہوگا اس لئے ہم مختصراً چندہی احادیث شریف پر اکتفا کرتے ہیں:۔

شفاعت حضور اکرم کے حسب مرضی

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ اشفع لامتی حتی ینادی ربی ارضیت یا محمد فاقول ای ربی رضیت (بزار، طبرانی، ابونعیم) میں اپنی امت کے حق میں اس وقت تک شفاعت کرتا رہوں گا تا آنکہ میرا پروردگار

منادی فرمائیگا کہ محمدؐ! کیا آپ خوشنود ہوگئے؟ تب میں عرض کروں گا کہ ہاں اے میرے پروردگار! میں راضی اور خوش ہو گیا۔"

شفاعت اہل کبائر کے حق میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔ (ترمذی، ابن حبان، حاکم، امام احمدؒ، ابوداؤد) میری شفاعت میری امت کے مرتکبین کبائر کیلئے بھی ہوگی۔" یعنی جن لوگوں نے بڑے بڑے گناہ کئے اور بغیر توبہ کئے یہاں سے چل بسے ان کیلئے بھی میری شفاعت ہوگی۔ اس حدیث شریف کی حضرات جابرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمر اور کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی روایت فرمائی ہے جن کی روایتیں ترمذی، ابن حبان، حاکم، ابن ماجہ، طبرانی اور خطیب بغدادی نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمائی ہیں۔

علماء کرام کا شفاعت کرنا حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ یجاء بالعالم والعابد فیقال للعابد ادخل الجنۃ ویقال للعالم قف حتی تشفع (اصبہانی) ایک عالم اور ایک عابد کو لایا جائے گا۔ پھر عابد سے کہا جائے گا کہ تم جنت میں چلے جاؤ۔ اور عالم کے لئے کہا جائے گا کہ ٹھہرو تاکہ شفاعت کرتے رہو۔" یعنی جن تلامذہ اور

شاگردوں کو تم نے تعلیم دی اور جن جن لوگوں کو مسائل و احکام بتائے اور جن کو وعظ و نصیحت کرتے رہے ان سب کی شفاعت کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے تصانیف و تالیفات سے جو لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں وہ بھی ان علمائے کرام کے بالواسطہ شاگرد ہیں۔

ایک اور حدیث کی حضرت ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں:۔ یقال للعالم اشفع فی تلامذتك ولو بلغت عدد نجوم السماء۔ (دیلمی) ایک ایک عالم سے کہا جائیگا کہ اپنے جملہ تلامذہ اور شاگردوں کے حق میں شفاعت کرو اگرچہ ان کی تعداد آسمان کے ستاروں کی حد تک پہنچتی ہو۔"

شہداء کا شفاعت کرنا حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ الشھید یشفع فی سبعین من اھل بیتہ۔ (ابوداؤد) ایک ایک شہید اپنے گھرانے کے ستر ستر آدمیوں کے حق میں شفاعت کریگا" یہ اس بنا پر ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہر شخص کو تیار رہنا چاہیئے۔ جہاد فی سبیل اللہ فرض کفایہ ہے اگر چند افراد نے یہ فرض انجام دیا تو دوسروں کے ذمہ سے یہ فریضہ ساقط ہو جاتا ہے۔ چونکہ شہید نے اپنی جان کی بازی لگادی۔ اگر اس کے دیگر افراد خاندان کی باری آتی تو وہ بھی اس فریضہ کی ادائی کے لئے کمر بستہ تھے یا ان میں بعض افراد ایسے تھے جن پر جہاد فرض نہ تھا۔ جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، معذور وغیرہ۔ اس لئے ان کی شفاعت ہوگی۔

صالحین کی شفاعت اپنے خادمین کے لئے

حضرت انسؓ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: یصف الناس یوم القیامۃ صفوفا ثم یمر الرجل من اھل الجنۃ علی الرجل من اھل النار فیقول یا فلان اما تذکر یوم استسقیتنی فاسقیتك شربۃ فیشفع لہ فیمر الرجل علی الرجل فیقول اما تذکر یوم ناولتك طھورا فیشفع لہ ویمر الرجل علی الرجل فیقول یا فلان اما تذکر یوم تمشی لحاجۃ کذا وکذا فذھبت لك فیشفع لہ۔ قیامت کے دن لوگوں کی صفیں بنائی جائینگی پھر جنتیوں کا ایک ایک شخص دوزخیوں کے ایک ایک شخص کے پاس سے گزریگا تو یہ اس کو پکار کر کہے گا، اے جناب! کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ آپ نے مجھ سے پانی پلا دینے کی فرمائش کی تھی اور میں نے آپ کو پانی پلایا تھا۔ یہ سن کر وہ اس کے لئے شفاعت کرینگے۔ پھر ایک اور جنتی کا گزر ایک اور دوزخی پر ہوگا، وہ کہیگا۔ (عالی جناب!) آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ میں نے وضو کے لئے آپ کو لوٹا بھر کر پانی پیش کیا تھا۔ وہ بھی اس کیلئے شفاعت کرینگے۔ پھر ایک تیسرے جنتی کا ایک اور دوزخی پر گزر ہوگا۔ وہ کہیگا، حضرت! کیا آپ کو وہ دن یاد نہیں کہ آپ اپنے اپنے فلاں فلاں کام پر تشریف لیجارہے تھے تو میں بھی آپکی مدد کیلئے روانہ ہوا تھا، یہ سن کر وہ بھی اس کے حق میں شفاعت کریں گے۔"

اسی طرح ایک ایک شخص ادنی جنتی کم از کم ایک ایک دوزخی کے لئے شفاعت کرتا جائیگا جو کسی نہ کسی وقت اس کا کچھ نہ کچھ کام کیا ہو۔ اور وقت پر کام آیا ہو۔ اس حدیث شریف سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عوام کو چاہیئے کہ وہ تا امکان صالحین کی خدمت کرتے رہیں تاکہ اس ثمرہ قیامت میں بصورت شفاعت مل سکے خواہ وہ معمولی ادنیٰ خدمت کیوں نہ ہو۔

خردسال بچوں کا اپنے والدین کی شفاعت کرنا

ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں:۔ کنا فی بیت عائشۃ فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال ما من مسلم یموت لہ ثلاثۃ من الولد اطفال لم یبلغوا الحلم الا جیٔ بھم حتی یوقفوا علی باب الجنۃ فیقال لھم ادخلوا الجنۃ فیقولون ان دخل ابوانا فیقال فی الثانیۃ والثالثۃ ادخلوا الجنۃ وآباؤکم فذلک قولہ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ ہم حجرہ عائشہؓ میں تھے اتنے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوئے اور فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے تین بچے قبل بلوغ انتقال کر جائیں تو ان بچوں کو جنت کے دروازے پر لا کر ٹھیرایا جائے گا پھر ان سے کہا جائیگا کہ جنت میں جا داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے (ہم جنت میں اسی وقت جائیں گے) جبکہ ہمارے ماں باپ بھی (ہمارے ساتھ) داخل ہوں یہی گفتگو دو دو تین تین وقت ہوتی رہیگی تا آنکہ ان سے کہا جائے گا اچھا تم اور تمہارے

ماں باپ سب جنت میں چلے جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ فما تنفعهم شفاعة الشافعين سے یہ مضمون نکلتا ہے یعنی کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی، مگر مسلمانوں کے حق میں ان کے نابالغ بچوں کی شفاعت تک سودمند اور کارآمد ہوگی۔

مضمون بالا کی توضیح اس سے زیادہ صراحت ایک اور حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ ایک دوسرے موقع پر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کے تین بچے نابالغی کے زمانے میں انتقال کر جاتے ہیں تو وہ بچے اپنے ماں باپ کو ساتھ لے کر جنت میں جائیں گے۔ اس پر سامعین میں سے ایک نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اگر کسی کے دو ہی بچے داغ جدائی دے ہوں تو کیا ہوگا؟ حضور انورؐ نے فرمایا کہ وہ بھی ماں باپ کو ساتھ لئے جنت میں جائیں گے۔ اس پر ایک نے عرض کیا اگر کسی کا ایک ہی بچہ انتقال کیا ہو؟ تو حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ وہ بھی ماں باپ کو ساتھ لے جائیگا۔ پھر ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اگر کسی کا ایک بچہ بھی انتقال نہ کیا ہو تو اس پر ارشاد مبارک ہوا۔ من لم يكن له فرط فانا فرطه۔ جس کا کوئی بچہ بھی ماں باپ کو جدائی کا داغ نہ دیا ہو تو خود میں اس کا فرطہ ہوں یعنی پیش کیا ہوا تحفہ جو رفیق اعلیٰ سے جا ملا۔" اور ظاہر ہے کہ حضور اکرمؐ کی مفارقت کسی مسلمان کو گوارا نہیں۔ قربان جائیے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ اس اعتبار سے بھی مسلمانو

شفاعت فرمائیں گے :ے

طاعت کے بھروسے نہ عبادت کے بھروسے   ہم جیتے ہیں حضرت کی شفاعت کے بھروسے

فرشتوں، پیغمبروں، شہداء و صالحین کا شفاعت کرنا

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: یشفع الملائکۃ والنبیون والشھدآء والصالحون وجمیع المومنین فلا یبقی فی النار الا اربعۃ ثم تلا قالوا لم نک من المصلین الی قولہ بیوم الدین۔ فرشتگان گرام اور انبیاء علیہم السلام نیز شہداء و صالحین اور تمام مومنین (گنہگاروں کی) شفاعت کریں گے۔ (اور ان کی یہ سفارش مقبول ہوگی) پھر دوزخ میں ان چار گروہ کے سوا کوئی باقی نہ رہیگا۔ اس کے بعد آپ نے بطور استدلال یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) دوزخی کہیں گے، ہم ۱ نماز نہیں پڑھتے تھے اور ۲ محتاج کو کھانا تک نہیں کھلاتے تھے اور ۳ اسلام کے خلاف بحثیں کرنے والوں کے ساتھ ہو کر ہم بھی بحث کیا کرتے تھے اور ۴ روز جزا کی تکذیب کرتے رہتے تھے۔ حضرت عمران بن حصینؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

کس کس کی شفاعت نہ ہوگی

مطلب یہ کہ ان چار گروہوں کی شفاعت نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جو کوئی مسلمان رہ کر بھی نماز نہیں پڑھتا تھا اور مسکین کو کھانا تک نہ کھلاتا تھا۔ اس کی شفاعت نہ ہوگی اور وہ بقدر گناہ سزا پائے بغیر جنت میں نہ جاسکیگا۔

اس سے نماز پڑھنے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی اہمیت ظاہر ہو رہی ہے۔ رہا وہ جس کا شمار ہی ان دو گروہ میں نہ ہو یعنی کافر ہی بنا رہا تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا اور نہ اس کے حق میں کسی کی شفاعت قبول ہوگی اور مخالف اسلام بحثیں کرنے والا اور روز جزا کی تکذیب کرنے والا گروہ یہ اسلام ہی سے خارج ہے اس کی بھی شفاعت نہ ہوگی۔ یا یوں سمجھئے کہ یہ چاروں باتیں جس میں جمع ہوں اس کی شفاعت نہ ہوگی یہ مضمون صاف ظاہر ہے۔ ان کے علاوہ اہل اسلام کے جن گروہوں کی شفاعت نہ ہوگی اس کا بیان بھی اسی سلسلے میں یاد رکھنا مفید ہوگا تاکہ مسلمان اس سے محترز رہیں۔

منکرِ شفاعت کی شفاعت سے محرومی

۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من کذب بالشفاعۃ فلا نصیب لہ ومن کذب بالحوض فلیس لہ فیہ نصیب (سعید بن منصور) جو کوئی منکرِ شفاعت ہو شفاعت کا اس کو کوئی حصہ نہ ملیگا۔ اسی طرح جس نے حوض (کوثر) کا انکار کیا اور اس کو جھٹلایا اس کا حوض کوثر میں کوئی حصہ نہیں۔" نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی یوم القیامۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا (ابن منیع) میری شفاعت قیامت کے دن ضرور ہوگی۔ پھر جو کوئی اس پر یقین نہ رکھے اور اس پر ایمان

نہ لائے وہ اس کا مستحق نہ ہوگا۔" (العیاذ باللہ) اس حدیث شریف کو صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت نے بیان فرمایا ہے جن کی تعداد دس سے زیادہ تک پہنچتی ہے۔

سب صحابہؓ واہل بیت موجب حرمان شفاعت

۲۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ شفاعتی مباحۃ الا لمن سب اصحابی۔ (ابونعیم) میری تمام امت مرحومہ کے لئے شفاعت کی اجازت دی جا چکی ہے مگر اس کے لئے جو میرے اصحابؓ کو بُرائی سے یاد کرتا ہو اجازت شفاعت نہیں ہے۔" اہل بیت کرامؓ اور امہات المومنینؓ ہر اعتبار سے اس میں داخل ہیں۔ کیونکہ درجہ صحابیت کے علاوہ ان کا تعلق خاندان رسالت و نبوت سے ہے علیہم الصلوٰۃ والتسلیم۔ ان حضرات کی شان میں گستاخی کرنے والا بھی اس حدیث شریف کی رو سے محروم شفاعت رہیگا۔ اللہ سبحانہ ایسے گستاخوں سے پناہ میں رکھے۔ آمین۔

بدعقیدہ اشخاص کی شفاعت سے محرومی

۳۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:۔ صنفان من امتی لا تنالھما شفاعتی یوم القیامۃ المرجئۃ والقدریۃ۔ (ابونعیم) میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو بروز قیامت میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ ایک مرجئہ اور اور دوسرا قدریہ۔" مرجئہ وہ فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ ایمان ہو تو کوئی گناہ و معصیت سے

کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ کفر کے ساتھ کوئی طاعت کارآمد نہیں ہو سکتی" اور قدریہ وہ گروہ ہے جن کا زعم یہ ہے کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خالق ہے۔ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ کفر اور معاصی کا تقدیر الٰہی سے کوئی تعلق نہیں" ہم اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے کہ گناہ و معصیت سے نور ایمان کمزور ہو جاتا ہے' نیز جزائے اعمال حق ہے گناہوں سے انسان سزا کا مستحق و متوجب ہوتا ہے اللہ سبحانہ کا اختیار ہے کہ سزا دے یا اپنے فضل یا کسی محبوب کی شفاعت سے چھوڑ دے۔ اور بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں بلکہ اللہ سبحانہ بندوں کے تمام افعال کا خالق ہے۔ ارشاد باری ہے:۔ واللہ خلقکم وما تعملون۔ اللہ سبحانہ ہی نے تم کو پیدا کیا ہے اور تمہارے افعال کا خالق بھی وہی ہے۔ بندہ کاسب ہے افعال کو کماتا ہے۔ خالق نہیں ہے اور تمام افعال تقدیر الٰہی سے ہیں۔

قوم عرب کے ساتھ فریب موجب حرمان شفاعت

۴۔ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ من غش العرب لم ینله شفاعتی (بیہقی) جس نے عرب کے ساتھ دھوکہ و فریب کیا اس کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی" (اللہ اکبر) عرب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قوم ہے ان کے ساتھ مکر و فریب اس نسبت عالیہ کی

وجہ سے بہت دور رس ہے۔ اس سے بچنا چاہئے۔

ظالم کی محرومیٔ شفاعت ۵۔ حضرت معقل بن یسار فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ رجلان لا تنالھما شفاعتی یوم القیامۃ امام ظلوم غشوم عسوف وآخر غال فی الدین مارق منہ (بیہقی طبرانی) دو قسم کے لوگ ہیں جن کو قیامت کے دن میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ امام وقت جو ظالم جابر ناحق ستاتا ہو اور دوسرا دین میں غلو کرنے والا (اور حقیقت میں) اس سے نکلا ہوا ہو"

جھوٹی بحث کرنے والوں کی محرومی ۶۔ حضرت ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ ذروا المراء فان المماری لا اشفع له یوم القیامۃ (طبرانی) ریب وشک کی حالت میں بحث چھوڑ دو کیونکہ قیامت کے دن میں ایسے لاطائل مباحث کرنے والوں کی شفاعت نہیں کروں گا" بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ خود ان کو کسی مسئلہ کی تحقیق یا کسی امر کا علم حاصل نہیں ہوتا مگر افتاد طبع یہ ہے کہ خواہ مخواہ بحث کرتے اور دخل در معقولات کے عادی ہوتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو بڑا عالم سمجھا جائے یہ عادت اچھی نہیں اس کے نتائج بُرے نکلتے ہیں۔ لہذا ایسی عادت قابل ترک ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں کیلئے یہ وعید

آئی ہے۔ اللہم احفظنا۔

خلاصۂ مرام اس تقریر سے ظاہر ہوا کہ شفاعت احادیث صحیحہ صریحہ، مشہورہ متواترہ بتواتر معنوی اور نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ احادیث شریفہ میں یہ بھی آیا ہے کہ باب شفاعت کا افتتاح، سب سے پہلے اذن الٰہی سے حضور رحمۃ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین فرمائیں گے۔ پھر تمام انبیاء ومرسلین اور ملائکہ مقربین، پھر صدیقین وشہداء وصالحین، علمائے عاملین، مشائخ کبار شفاعت فرماتے جائیں گے۔ یہاں تک کہ نوبت ایک ایک مسلمان کی اور مسلمانوں کے خورد سال بچے کی شفاعت کی آئے گی۔ پھر رب العزت جل جلالہ وعم نوالہ اپنے بے کیف ہاتھوں سے دو تین لپ (لپو) بھر بھر کر دوزخ سے نکال جنت میں ڈال دیں گے۔ اس طرح فضل لا متناہی اور شان لا ابالی کا ظہور ہوگا۔ اب نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہو تو وہ دوزخ میں باقی رہیگا۔ بہرحال شفاعت حق ہے۔ ہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت نہ ہوگی۔ اگر بالفرض تمام شفعاء مل کر بھی شفاعت کریں تو مفید نہ ہوگی۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ۙ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ۙ 74-49 74-50

فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ۗ پھر کیا ہوا ان کو کہ نصیحت سے منہ موڑتے ہیں، گویا کہ وہ 74-51

عہ قسورۃ فعولۃ من القسر بمعنی القہر قال ابو ہریرۃ ہی الاسود وھو

گدھے ہیں بدکنے والے، بھاگے ہیں شیر سے۔"

کفار کا نصیحت سے اعراض اور اس پر تعجب

جب صورت حال یہ ہے کہ کفار آخرت میں خود ہی اپنی تباہی اور بربادی اور محرومی شفاعت کے اسباب (ترک نماز، منع زکوٰۃ، بیجا مباحث، اور یوم جزا کی تکذیب) کو قرار دیں گے اور اس کے معترف ہوں گے تو پھر ان کو کیا ہوگیا ہے کہ قرآن عظیم اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی نصیحتوں سے منہ موڑتے ہیں درحالیکہ ان کو اس جانب شوق و رغبت سے پوری طرح متوجہ ہوتا چاہیے تھا۔ ان کی مثال وحشی گدھوں کی سی ہے جو کسی شیر یا شکاری یا اس کے پھندے اور جال کو دیکھ کر یا کوئی معمولی حرکت، آہٹ کو سن کر فوراً ہی بھاگ جانے کی تیاری میں لگتے بلکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قول العطاء والکلبی وقال مجاھد وقتادۃ والضحاک القسورۃ الرماۃ ولا واحد لها من لفظها وھی روایۃ عن عطاء عن ابن عباسؓ وقال زید ابن اسلم عن رجال اقویاء وکل ضخم شدید عند العرب قسورۃ وعن ابی المتوکل لغط القوم واصواتھم وروی عکرمۃ عن ابن عباسؓ قال ھی حبال الصیادین وقال سعید بن جبیر ھی القناص (مظہری) قسورۃ بروزن فعولۃ قسر سے مشتق ہے جس کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ شیر مراد ہے۔ عطا اور کلبی کا بھی یہی قول ہے اور مجاہد، قتادہ اور ضحاک نے فرمایا کہ تیرانداز مراد ہیں، اس لفظ سے اس کا واحد نہیں آتا۔ عطا کی ایک روایت جو حضرت ابن عباس سے ہے یہی ہے۔ اور زید بن اسلم نے کہا کہ قوی مرد مراد ہیں۔ عرب لوگ ہر موٹے تازے قوی آدمی کو قسورہ کہتے ہیں۔ ابوالمتوکل نے کہا کہ لوگوں کا شور اور غوغا مراد ہے۔ اور عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ شکاریوں کی رسیاں اور جال مراد ہیں۔ اور سعید بن جبیر نے فرمایا کہ شکاریوں کے پھندے مراد ہیں۔" واللہ اعلم۔

بھاگتے جاتے ہیں۔ ان کا قرآنی نصیحت اور ہمارے رسولؐ کی پند و موعظت سے اعراض کرنا حد درجہ تعجب خیز ہے کہ اپنے سود و بہبود کا ان کو کوئی خیال نہیں آتا۔

کفار کی احمقی غور کرنے کا مقام ہے کہ کسی ہوش و حواس اور عقل و شعور رکھنے والے انسان پر کبھی ایسی بھی حالت طاری ہوتی ہے کہ اس سے جانوروں کے سے حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں جانور بھی وحشی، اور پرلے درجہ کا احمق اور بے وقوف کہ دوسرے جانور بھی ایسے نہیں ہوا کرتے۔ اس کو بلایا جا رہا ہے اسی کی منفعت اور بھلائی کے لئے مگر یہ ہے کہ اس کو اپنی مضرت اور نقصان کا سبب قرار دے رہا ہے اور اس سے بھاگ جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس سے بڑھکر احمقی اور بے وقوفی کی بات اور کیا ہوگی؟ جو اپنے محسن کو دشمن تصور کرے اور نجات دلانے والے کو اپنا قاتل سمجھے۔ اس قماش کے لوگوں کو راہ راست پر لانا کیونکر ہو سکتا ہے؟

علمائے یہود اور کفار کی حالت علمائے یہود جو اللہ سبحانہٗ کی کتاب توریت کے حامل تو تھے مگر اس پر عامل نہ تھے انکی نسبت ارشاد ہوا تھا: مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ ان لوگوں کی مثال جو حاملِ توراۃ تھے پھر اس پر عمل نہ کیا اس گدھے کی سی ہے جو دفاتر علم و حکمت خود پر لادے ہوئے پھرتا ہے" مگر اس کو خبر نہیں کہ اس کی پیٹھ پر کیسے انمول جواہر کے خزانے ہیں۔ یہ احمق ان سے بھی بدتر ہیں کہ

ایسی لاقیمت اور لازوال دولت سے جو مفت ہاتھ آرہی ہے بے وجہ بھاگ رہے ہیں۔
اور اسی میں اپنی نجات تصور کررہے ہیں۔ برایں عقل و دانش بباید گریست۔ یہی وجہ ہے کہ
احبار یہود کو حمار اہلی سے تشبیہ دیگئی تھی۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق انکو جنگلی
گدھے کے ساتھ تشبیہ دیجارہی ہے۔ اس سے بڑھ کر بُری مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟ عارف رومیؒ
فرماتے ہیں :۔

از کجا ایں قوم و پیغام از کجا — از جمادے جاں کجا باشد رجا

فہم ہائے کج مج کوتہ نظر — صد خیال بد درآرد در نگر

راز جز با رازداں انباز نیست — راز اندر گوشِ منکر راز نیست

ایک لطیفہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کا گدھا گُم ہوگیا۔ وہ جامع مسجد میں آیا جہاں ایک
مولوی صاحب کا وعظ ہو رہا تھا اور بہت سارے لوگ جمع تھے۔ اس نے مولوی صاحب کو
مخاطب کرکے کہا۔ مولانا! میرا گدھا گم ہوگیا ہے۔ آپ کے پاس اتنے آدمی جمع ہیں۔ براہ کرم
ان سے دریافت فرمائیے کہ کیا کسی نے اس کو دیکھا ہے؟ مولانا نے فرمایا۔ تم بیٹھ جاؤ۔ ہم ابھی
بتائے دیتے ہیں۔ وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد مجلس وعظ سے ایک شخص اٹھ کر جانے لگا۔ مولانا نے
فرمایا۔ دیکھو شاید تمھارا گدھا یہی ہو اس کو لے جاؤ۔" قصہ ختم ہوا۔ بس یہی حال ان کفار کا ہے کہ
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس مبارک سے بھاگتے ہیں۔ وعظ و نصیحت سے جی چرانیوالا

پرلے درجے کا احمق اور گدھا نہیں تو کیا ہے ؟ ۔

بَلْ یُرِیْدُ کُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّؤْتٰی صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۙ كَلَّا ؕ 74-52
بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ 74-53 بلکہ چاہتا ہے ہر ایک شخص ان میں کا کہ ملیں اس کو ورق کھلے ہوئے، ہرگز نہیں، پر وہ ڈرتے نہیں آخرۃ سے ۔"

کفار کی فرمائشات کفار کی احمقی اور نادانی کا یہ حال، اس پر طرفہ یہ کہ ان میں کا ایک ایک شخص یہ فرمائش کرتا کہ حضرت! اللہ کی کتاب صرف آپ پر کیوں نازل ہوتی ہے ۔ ہم پر بھی اترے تو ہم اس کو پڑھیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے ۔ مطلب یہ کہ منصب رسالت آپ کے ساتھ مخصوص کیوں ہو ۔ ہم کو بھی رسول کیوں نہیں بنایا جاتا ۔ اس کا جواب اللہ سبحانہ نے دوسری جگہ یوں دیا :۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ ۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس کی رسالت کا اہل کون ہے ۔" جس میں اس کی لیاقت ہوتی ہے انھیں کو یہ عہدۂ جلیلہ عنایت ہوتا ہے ۔ بعض یوں کہتے کہ جس طرح آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے ایسا ہی ہمارے نام بھی احکام آنے چاہئیں کہ تم ان کی اطاعت کرو ۔

چنانچہ حضرت ابو صالح فرماتے ہیں :۔ قالوا ان کان محمد صادقا فلیصبح تحت رأس کل رجل منا صحیفة فیها براءته و امنته من النار (عبد بن حمید ابن جریر ابن المنذر) کافروں نے کہنا شروع کیا کہ اگر محمد سچے ہیں تو صبح تک

ہمارے سرہانے ایک ایک صحیفہ آموجود ہونا چاہئے جس میں درج ہو کہ ہماری برأت اور امان کا نوشتہ موجود ہو"

حضرت مجاہد کی روایت میں اس پر اور اتنا اضافہ ہے :۔ الی فلان بن فلان من رب العالمین

(عبد بن حمید ابن المنذر) نیز یہ بھی لکھا ہو کہ یہ فرمان رب العالمین کے پاس سے فلاں بن فلاں کے نام آیا ہے"

کفار کو جواب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا صرف ایک جواب دیا ہے : ۔ کَلَّا بَل لَّا یَخَافُونَ الْآخِرَۃَ ۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا بلکہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں ہے" یعنی انکی یہ تمام فرمائشیں از راہ عناد و سرکشی ہیں ۔ انکو آخرت کا یقین ہے اور نہ خوف ۔ جو اس درجہ نڈر ہو اگر ایسی کوئی تحریر اسکے ہاں وصول بھی ہو تو وہ کب ماننا ہے ۔ حضرت حسن بصری رضی فرماتے ہیں : ھٰذا الذی فضحھم ۔ (ابن ابی شیبہ) یہی وہ آیت کریمہ ہے جس نے کافروں کی خوب فضیحت کی" یعنی ان کے اندرونی کیفیات اور دل میں چھپائے ہوئے حالات کا بھانڈا پھوڑ دیا ۔ بخلاف اس کے اگر کسی کے دل میں آخرت کا خوف ہو تو وہ ایسی کوئی فرمائش نہیں کرتا بلکہ جو حکم سنایا جاتا ہے اسکی تعمیل کرتا ہے ۔ یہ کہیں کا قاعدہ نہیں اور نہ کسی حکومت کا دستور ہے کہ سرکاری احکام ہر ہر شخص کے ہاں نام بنام پہنچائے جائیں بلکہ ایک فرمان صادر ہوتا ہے اور اس کو شائع کر دیا جاتا ہے ۔ اس سے واقف ہونا ہر شخص کا فرض ہے ویسے چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے :۔

کَلَّآ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ؕ کوئی نہیں ، یہ تو نصیحت ہے 74-54 74-55

پھر جو کوئی چاہے اس کو یاد کرے"

قرآن کریم تذکرہ ہے یعنی ہر ہر شخص کو جدا جدا کتاب نہیں دی جا سکتی اور نہ نام بنام احکام ہر ایک کو پہنچائے جا سکتے ہیں۔ ایک کتاب سارے جہان کی ہدایت کیلئے کافی ہے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتے رہیں اور جو وعظ و نصیحت آپ فرمائیں اس کو حرز جاں بنائیں۔ نیز جو احکام صادر فرمائیں ان کو بجا لاتے رہیں۔ قلوب صاف ہوں تو ایک کتاب سب کے لئے بس ہے۔ اور اگر دلوں میں کدورت ہو یا اللہ پر ایمان ہی نہ ہو تو ایک کتاب کیا اگر دفاتر بھی ہوں تو وہ کارآمد نہیں ہو سکتے۔ یہی صورت حال زمانہ ما بعد کے لوگوں اور آنیوالی نسلوں کی ہے۔ ان کا فرض ہے کہ وہ حضرات علماء و مشائخین سے ربط رکھیں اور انکی ہدایات پر کاربند رہیں۔ یہی سیدھا صاف، سہل الحصول طریقہ ہے۔

وَمَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ

ع ۲۵/۱۶ الْمَغْفِرَةِ ع اور وہ یاد بھی کریں کہ چاہے اللہ وہی ہے جس سے ڈرنا چاہیئے اور وہی بخشنے کے لائق ہے۔"

ہر کام مشیت پر موقوف ہے یعنی قرآن کریم اللہ سبحانہ کی یاد دلانے والی کتاب ہے۔ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مُذَكِّر (یاددہانی فرمانے والے) ہیں۔ انما انت مذکر۔ اور آپ رات دن یاد الٰہی دلایا کرتے ہیں۔

آپ کی یاد دہانی عام ہے ۔ فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ ۔ جو چاہے اس کی یاد میں لگا رہے"
با ایں ہمہ اگر حقیقت حال پوچھو تو کسی کا یاد کرنا اور نصیحت لینا موقوف ہے اللہ سبحانہٗ کی
مشیت پر ۔ اُدھر سے توفیق ہو تو کوئی یاد کرے ۔ کافروں نے توفیق کے راستے' اپنے
کفر و عناد کے باعث خود پر بند کر لئے ہیں ۔ جب صورت حال یہ ہے تو نہ ان کیلئے تذکرہ
(کتاب اللہ) مفید ہے اور نہ مذکر (ذات اقدس حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ
والتسلیمات سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے ۔ اس لئے کہ کفر و عناد کے باعث ہدایت کے
تمام راستے مسدود ہو چکے ہیں اب ہدایت ان کے دلوں میں داخل ہو تو کیسے ؟ انکی
نسبت مشیئۃ اللہ جاری ہی نہیں ہوئی اور اس کے بغیر کچھ ہو نہیں سکتا کیونکہ سارے کام
مشیئت پر موقوف ہیں ۔

مشیئۃ اللہ اللہ سبحانہٗ کی مشیئت یعنی اس کا چاہنا یا نہ چاہنا حکمت پر مبنی ہے'
جس کا کوئی اندازہ یا احاطہ نہیں کر سکتا ۔ بندوں میں کون کتنی استعداد و لیاقت
رکھتا ہے اور کس میں کیا صلاحیت و اہلیت ہے وہی جانتا اور اس کے مطابق معاملہ
فرماتا ہے ۔ لہذا مشیئت الٰہی کے متعلق کسی کو زبان ہلانے اور دم مارنیکی گنجائش نہیں کہ
ایسا کیوں چاہا اور ایسا کیوں نہ چاہا ۔ کیونکہ حکمت الٰہی جس امر کی مقتضی ہوئی اس کو چاہا
اور جس کی مقتضی نہ ہوئی اس کو نہ چاہا ۔ اللہ سبحانہٗ حکیم ہے اور فعل الحکیم لا یخلوا

عن الحکمۃ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا لیکن اس قدر معلوم کرا دیا گیا ہے کہ وہ نیکی سے خوش ہوتا ہے اور برائی اسے نہیں بھاتی۔

تخییر مکنت و تخییر امضاء قدرت عین المعانی میں ہے:۔ قوله فمن شاء الخ تخییر باعطاء المکنۃ لتحقیق العبودیۃ وقوله الا ان یشاء اللّٰہ تخییر امضاء القدرۃ لتحقیق الالوھیۃ۔ ارشاد باری تعالیٰ فمن شآء ذکرہٗ میں بندے کو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا ہے اس کا بیان ہے کہ بندہ اپنے اختیاری کاموں میں سے ہر کام کو کرے یا نہ کرے اس کا اختیار تو اسکو حاصل ہے مگر وہ کرتا ہے وہی جسکی نسبت مشیت اللہ جاری ہوئی اسی لئے اسکی بندگی ثابت و محقق ہوتی ہے۔ اور ارشاد باری الا ان یشاء اللّٰہ میں اس امر کا بیان ہے کہ اللہ سبحانہ کو ہر کام کا پورا پورا اختیار حاصل ہے اور اپنی قدرت کاملہ سے اس کے اجراء پر بھی اس کو پورا پورا اقتدار ہے اسی سے اللہ سبحانہ کی الوہیت ثابت و متحقق ہے۔ وہ تخییر مکنت تھی یہ تخییر امضاء قدرت ہے لہٰذا دونوں کا فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

ضرورت تقویٰ جب واقعہ یہ ہے تو راہ تقویٰ اختیار کرنے کے سوا چارہ نہیں یعنی جن کاموں کا حکم دیا گیا ہے ان کو بجالائیں اور جن جن چیزوں سے منع فرمایا گیا ہے ان سے باز رہیں۔ اسی سے ہدایت کی راہیں کھلیں گی اور منزل مقصود تک پہنچ سکیں گے۔ اور اللہ سبحانہ تعالیٰ ہر آئینہ اس لائق ہے کہ اسکے جلال و جبروت کو پیش نظر رکھکر اس سے ڈرتے رہیں۔ جب تقویٰ نصیب ہوا تو

مغفرت (سابقہ گناہوں کی بخشش) بھی اس کے ساتھ ہے "تم تقوی کی راہ اختیار کرکے اس سے ڈرتے رہو وہ تمھارے گناہوں کو بخشتا رہیگا۔

تقوی کا نتیجہ مغفرت

حضوراکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیۂ کریمہ کی تلاوت کے بعد ارشاد فرمایا:۔ قد قال ربکم انا اھل ان اتقی فمن لم یجعل معی الھا فانا اھل ان اغفر له (امام احمدؓ دارمی ترمذی نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابو یعلی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن عدی، حاکم بروایت صحیحہ، ابن مردویہ) تمھارے پروردگار کا ارشاد ہو رہا ہے "میں اس کا سزاوار ہوں کہ میرا احترام کیا جائے۔ جس کسی نے میرے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہرایا تو مجھے زیب دیتا ہے کہ میں اس کو بخش دوں" نیز حضرات ابوہریرہ، ابن عمر، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آیۂ کریمہ ھو اھل التقوی واھل المغفرة کی تفسیر دریافت کی گئی تو ارشاد مبارک ہوا:۔ یقول اللہ انا اھل ان اتقی فلا یجعل معی شریك فاذا اتقیت ولم یجعل معی شریك فانا اھل ان اغفر ما سوی ذلك (ابن مردویہ) اللہ سبحانہ کا ارشاد ہو رہا ہے کہ میں ہر طرح لائق احترام ہوں لہذا میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ پھر جب میرا احترام کیا گیا اور میرے ساتھ

کسی کو شریک نہ ٹھہرایا گیا تو میں اس لائق بھی ہوں یعنی میری شان رحمت کا یہ تقاضہ ہے کہ شرک کے ماسوا جو بھی گناہ ہو اس کو بخش دوں ''

شانِ ستاری کی ایک جھلک

ایک روایت حضرت حسن بصریؓ سے اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

قال اللہ انا اکرم و انا اعظم عفوا من ان استر علی عبد لی فی الدنیا ثم افضحه بعد ان سترته ولا ازال ان اغفر لعبدی ما استغفرنی۔ اللہ سبحانہ نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ باعزت ہوں اور معافی دینے کے اعتبار سے سب سے زیادہ باعظمت ہوں (مجھ سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ) میں دنیا میں اپنے کسی بندے کی پردہ پوشی کروں پھر ایک دفعہ ستاری کرنے کے بعد (آخرت میں) اس کو رسوا کروں۔ اور میں اپنے بندے کے گناہوں کو بخشتا جاؤں گا جب تک کہ وہ مجھ سے بخشش کی درخواست کرتا رہے گا۔

استجابتِ دعا کی ایک شان

حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔ یقول اللہ تعالیٰ انی لاجدنی استحیی من عبدی یرفع یدیه الیّ ثم اردّهما قالت

الملائکۃ الھنا لیس لذلک باھل قال اللہ لکنی اھل التقوی واھل المغفرۃ اشھد کما انی قد غفرت لہ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فرمان قدسی نشان ہے کہ میں اپنے بندے سے شرماتا ہوں کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ میرے آگے پھیلائے پھر میں ان کو یوں ہی پھیر دوں۔ فرشتے اس موقع پر عرض کرتے ہیں کہ ہمارے معبود برحق سے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ ارشاد الٰہی ہوتا ہے لیکن میں اہل تقویٰ و اہل مغفرت ہوں تم سب کو گواہ رکھتا ہوں کہ میں نے اس کو بخش دیا۔"

بوڑھوں پر اللہ سبحانہ کی خاص عنایت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔ ویقول اللہ انی لاستحیی من عبدی وامتی یشیبان فی الاسلام ثمّ اعذّ بھما بعد ذلک فی النار۔ (حکیم ترمذی) اور اللہ سبحانہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں اپنے ایک ایک بندے اور اپنی ایک ایک بندی سے بھی شرماتا ہوں جو بحالتِ اسلام بڑھاپے کو پہنچ چکے پھر اس کے بعد میں ان کو دوزخ کا عذاب دوں؟" ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا:؎

کرم بیں ولطفِ خداوندگار گنہ بندہ کردہ ست و او شرمسار

دعا اللہ سبحانہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم کو اور تمام مسلمان بھائیوں کو راہ تقویٰ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ الطیبین الطاہرین۔

بحمد اللہ کہ سورۂ مدثر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جمعہ ۱۱ رجب المرجب ۱۳۷۵ھ۔

